اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

اگست ۲۰۲۴ء

مُدِیر: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

حافظ محمد عمران طحاوی
0300-4107282

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین کا تحریکی سفر

ڈاکٹر محمد امین صاحب سے ملئے، ان کے پاس آپ کے لیے ایک پیغام ہے

ڈاکٹر صاحب اپنی ذات میں ایک تحریک اور ادارہ ہیں۔ ان کی شروع کردہ اہم تحریکوں کا ذکر درج ذیل ہے:

۱۔ تحریک اصلاحِ تعلیم **قیام:** ۱۹۸۶ء۔ **مقصد:** جدید عصری تعلیم اور دینی مدارس کی تعلیم کی اصلاح۔ **کام جو کیا گیا:** دونوں طرح کے نظام تعلیم کی اصلاح کے لیے ۱۴ کتابوں کی تالیف واشاعت۔ کانفرنسز اور علمی ورکشاپس کا انعقاد۔ اساتذہ اور منتہی طلبہ کے لیے شارٹ کورسز۔ **مستقبل کے منصوبے:** ماڈل اسلامی یونیورسٹی، ماڈل اسلامی سکول اور ماڈل دینی مدرسہ کا قیام۔ اسلام پسند سکولوں کی نیٹ ورکنگ اور یونیورسٹیوں کو فراہمیٔ میٹریل۔ تعلیم، علوم ونصابی کتب کی اسلامی تشکیل نو۔

۲۔ تحریکِ رجوع الی القرآن **قیام:** ۲۰۱۸ء۔ **مقصد:** تمام مسلمانوں خصوصاً نسلِ نو کو قرآن حکیم سے جوڑنا، ان میں اردو ترجمہ کی صلاحیت پیدا کرنا تا کہ وہ اس پر انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خود سمجھ کر عمل کر سکیں۔ **کام جو ہو چکا:** 'تدریس القرآن' پراجیکٹ کا آغاز۔ آسان طریقے سے قرآن حکیم کا اردو ترجمہ سکھانے کے لیے خصوصی پیکیج کی تدوین واشاعت۔ لاہور کے ایک ہزار سکولوں میں سپاروں کی فری تقسیم اور بلا معاوضہ ٹیچرز ٹریننگ۔ نو (۹) پاروں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ گھر بیٹھے لوگوں کی سہولت کے لیے ورک بک کی اشاعت۔ 'تسہیل القرآن': قرآن حکیم کا ایسا تفسیری ترجمہ جو Self Explanatory ہو اور بڑی حد تک تفسیر سے بے نیاز کردے۔ آخری پارہ مع اہم سورتیں (یٰسین، الرحمٰن، الواقعہ، الملک) شائع ہو چکا ہے۔ پہلے پارے کی آن لائن اشاعت۔ **مستقبل کے منصوبے:** تدریس القرآن کو سارے سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور عام پبلک تک پہنچانا۔ سپاروں کی علیحدہ اور یکمشت اشاعت۔ تعلیم میں قرآن حکیم کی لازمی تعلیم ہر سطح پر اور سارے علوم ونصابات کو قرآن کی روشنی میں از سر نو مدون کرنا۔

۳۔ تحریکِ اصلاح المسلمین **قیام:** ۲۰۲۳ء۔ **مقصد:** مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کی اصلاح تا کہ وہ دنیا میں اسلامی تعلیمات پر عمل کر سکیں اور آخرت میں کامیاب ہو سکیں۔ **کام جو کیا گیا:** تحریک کے مقاصد، طریق کار اور لائحہ عمل کی تیاری اور اشاعت۔ **مستقبل کے منصوبے:** تحریک کے پیغام کو سب لوگوں تک پہنچانا۔ مختلف شعبے جن میں کام کرنا مقصود ہے یہ ہیں: ۱۔ تعلیمی اصلاح کی کوششوں اور تدریس القرآن کے کاموں کو مربوط کرنا۔ ۲۔ تزکیۂ نفس کے لیے تربیت گاہوں کا قیام۔ ۳۔ مساجد کو مرکز بنا کر معاشرے کی تنظیم و مدد سے کمیٹیاں بنا کر رفاہی کاموں کو منظم کرنا خصوصاً غریبوں کی مالی مدد، جھگڑے نمٹانا، امن وامان کی بحالی، تعمیری تفریح، تعلیم وعلاج میں مدد وغیرہ ۴۔ سیاسی شعبہ کا قیام تا کہ وہ ریاست کو مزید بگاڑ سے بچانے کی کوشش کرے۔ اسلام کے صحیح سیاسی نظام کی تشکیل وتنفیذ۔ ۵۔ اصلاح معاشرہ کی سرگرمیاں۔

تدریس القرآن

سبق نمبر ٦ کے اہم نکات

مشکل الفاظ کے معانی

① سماء کے لفظی معنی بلندی اور اونچائی کے ہوتے ہیں۔آسمانوں کو سماوات اور بارش کے آسمان سے برسنے کے الفاظ دراصل ہم انہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

② زمین کو فرش اس لیے کہا گیا کہ وہ ہموار اور مسطح ہوتی ہے اور ہم اس پر کام کاج کر سکتے ہیں، بیٹھ اور سو سکتے ہیں۔

③ رزق عربی میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی گزارنے کے لیے دیتا ہے۔ یوں پھل، اجناس، دودھ، اولاد سب رزق میں شامل ہیں۔

④ زوج کا لفظ عربی میں مرد اور عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی قرآن حکیم کے مطابق جنت میں مردوں کو پاکیزہ بیویاں ملیں گی اور عورتوں کو پاکیزہ مرد تاہم صیغہ اکثر جگہ مذکر کا ہی استعمال ہوا ہے جیسا کہ اردو میں بھی ہوتا ہے۔

مفہوم کا خلاصہ

① ان آیات میں کفارِ مکہ کو دعوتِ فکر دی گئی ہے کہ وہ انفس و آفاق یعنی اپنی ذات اور کائنات پر غور کریں کہ اللہ نے کیسے ان کو تخلیق کیا، زمین کو مسطح بنایا اور اوپر سے بارش کا انتظام کیا تاکہ انہیں زمین میں زندگی گزارنے کے لیے وسائلِ رزق مہیا ہو سکیں۔

② اور اگر وہ پھر بھی انفس و آفاق میں غور نہ کریں اور اللہ کو خالق و رب و ہادی نہ مانیں اور اس کے پیغمبر اور کتاب کی تکذیب کریں تو انہیں چیلنج دیا گیا کہ قرآن کی طرح کی ایک سورۃ بنا کر دکھاؤ۔ اور اگر تم ایسا نہ کر سکو تو سمجھ جاؤ کہ پیغمبر سچا ہے اور قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہو رہا ہے۔

③ پھر بتایا گیا کہ جو لوگ حق کو مان کر اس کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزاریں گے انہیں آخرت میں جنت کی نعمتیں ملیں گی اور جو اسے ٹھکرائیں گے انہیں جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔

حاصل کردہ سبق

① مسلمانوں کو چاہیے کہ انفس و آفاق میں غور کریں تاکہ ان کا ایمان بڑھے کہ کس طرح اللہ نے زمین کو مسطح بنایا ہے اور بارشوں کا سلسلہ قائم کیا ہے جس سے انسان کو زمین میں وافر پانی اور آکسیجن ملتی ہے، پھل اور اجناس پیدا ہوتی ہیں جو انسانی زندگی کو ممکن اور سہل بناتی ہیں لہٰذا اللہ کا شکر اور اس کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔

② ہم جس قرآن حکیم پر ایمان لاتے ہیں وہ زمین پر اللہ کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ اس نے ساری دنیا کو چیلنج کر رکھا ہے کہ قرآن جیسی کوئی ایک سورت بنا کر دکھاؤ اور چونکہ کوئی آج تک ایسا نہیں کر سکا لہٰذا قرآن سچا ہے۔ ہمیں قرآن حکیم پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے اور اپنی زندگیاں اس کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنی چاہئیں۔

ڈاکٹر محمد امین کی چند اہم تصانیف

نمبر شمار	کتاب	صفحات
عصری تعلیم کی اصلاح (اسلامی تناظر میں)		
۱	ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل	۴۵۰
۲	اسلامی سکول کے خدوخال	۸۰
۳	تعلیم اور اس کا اسلامی کردار	۱۶۷
۴	یکساں قومی نصاب-خدشات ومضمرات	۲۰۸
۵	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے معلمین	۱۶۰
۶	تدریس القرآن، پارہ ۱، ۲، ۳، ۳۰ برائے طلبہ وطالبات	۴۸
۷	پنج سورہ مع پارہ عم (اُردو تفہیم)	۷۶
۸	ایک نئی یونیورسٹی کی ضرورت	۱۲۰
۹	اسلامی علوم میں تحقیق	۲۷۲
طلبہ کی اسلامی تربیت		
۱۰	تعلیمی ادارے اور کردار سازی	۱۷۲
۱۱	تعلیمی اداروں میں تعمیر سیرت-ہینڈ بک وگائیڈ	۱۶۰
اصلاحِ دینی مدارس		
۱۲	ہمارا دینی نظام تعلیم	۲۵۰
۱۳	نصابِ مدنیؒ	۴۰
۱۴	مدرسہ ڈسکورسز-مطالعہ وتجزیہ	۱۵۶
۱۵	اصلاحِ دینی مدارس	۳۵۲
اسلامی تحریکیں		
۱۶	پاکستان کی دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟	۲۴۰
۱۷	خاموش انقلاب ناگزیر ہے	۲۸۸
۱۸	عصر حاضر میں دین کا متوازن تصور	۸۴
۱۹	نئی اصلاحی تحریک کی ضرورت	۷۲
تزکیۂ نفس		
۲۰	اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی فکر کے ساتھ تقابلی مطالعہ)	۹۰۳

نمبر شمار	کتاب	صفحات
۲۱	حقیقت تزکیۂ نفس (سوالاً جواباً)	۶۲
۲۲	اپنی اصلاح آپ کیسے؟	۵۶
۲۳	ترکِ رذائل (احمد جاوید)	۲۹۲
۲۴	اسلام اور تعمیر سیرت	۴۰۴
اسلام اور مغربی فکر وتہذیب		
۲۵	اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش	۱۷۶
۲۶	اسلامی اور مغربی اصطلاحات کا تقابلی مطالعہ	۱۷۶
۲۷	اسلام اور ردِّ فکرِ مغرب	۲۱۶
تفہیم دین		
۲۸	عروجِ اُمتِ مسلمہ (مسلم نشأۃ ثانیہ)	۳۸۴
۲۹	شاتم رسول کے قتل کی شرعی حیثیت	۴۸
۳۰	رزم حق وباطل	۸۰
۳۱	اسلام اور پاکستان	۳۰۰
۳۲	عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون	۲۵۰
۳۳	مقالاتِ امین (جلد اوّل)	۶۷۶
۳۴	مقالاتِ امین (جلد دوم)	۶۴۲
۳۵	جہاد اور دہشت گردی-چند عصری تطبیقات	۱۳۰
اللغة العربية		
۳۶	السلطة التشريعية _ دراسة مقارنة	۱۵۰
English Books		
۳۷	Islamization of Laws in Pakistan	250
۳۸	Riyaz us Saliheen I & II	950
۳۹	Literal Translation of the Holy Quran Para 1-10	500

مکتبہ البرہان

136-نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

0336-1913636

ماہنامہ البرہان لاہور
Since 2010
جلد ۲۸ شمارہ ۸
برائے آن لائن مطالعہ
www.alburhaan.pk
اگست ۲۰۲۴ء/محرم الحرام ۱۴۴۶ھ

آئینہ مضامین

فکرونظر
دینی سیاسی جماعتوں کے لیے ایک اہم تجویز — مدیر — ۴
تعلیم وتربیت
- یونیوسٹیوں میں تحقیق: ہم کہاں کھڑے ہیں؟ — ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر — ۶
- ہمارا تعلیمی بحران: ایک علمی وفکری نشست — حافظ محمد عمران طحاوی — ۷
- تعلیم اور اس کے نتائج: اقبال کی نظر میں — علامہ فاروق اکرم — ۹
اسلام اور پاکستان
- پاکستان بحرانوں کا شکار اور مغرب زدہ کیوں؟ — مفتی محمد تقی عثمانی — ۱۰
- دین کی بنیاد پر سماجی سہولت پروگرام — ڈاکٹر اکرام الحق یاسین — ۱۱
غامدیت
- گمراہی کیا ہے؟ — پروفیسر ڈاکٹر محمد امین — ۱۳
علماء کرام جاوید غامدی اور ان کے ہمنواؤں کو گمراہ کیوں کہتے ہیں؟
- کیا غامدی گمراہ نہیں؟ قارئین کے خطوط — ادارہ — ۲۷
- غامدی صاحب کے ''جوابی بیانیے'' کی حقیقت — مدیر — ۲۸
سیکولرزم کو مطابق اسلام ثابت کرنے کی کوشش کا جائزہ
عالم اسلام
- بیت المقدس اور ہیکلِ سلیمانی — رضی الدین سید — ۴۶
- غزہ: آئندہ کے لیے لائحہ عمل — مدیر — ۵۵
- افغانستان کے تازہ ترین حالات — ذبیح اللہ مجاہد — ۵۷
- بنگلہ دیش: مظاہروں کے اصل اسباب — ڈاکٹر حسین احمد پراچہ — ۵۹
تبصرۂ کتب
- مبادیات علوم وفنون، مرتب مولانا ڈاکٹر حشمت علی صافی — ۶۲
- قلم کاشتہ: از ڈاکٹر انوار احمد بگوی — حافظ عمران طحاوی — ۶۳
English Section — ۶۶
Science and Sectarianism
Prof. Nadeem Ghafoor Ch.

مدیر
ڈاکٹر محمد امین

ادارۂ تحریر
ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری
حافظ محمد عمران طحاوی

لیگل ایڈوائزر
محمد یحییٰ رشید، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

انچارج سرکولیشن
(0300-4107282)
[برائے خریداری، تجدید، شمارہ تاخیر سے ملنے کی شکایت اور مکتبہ البرہان کی کتب کی خریداری کے لیے]

زرِاعانت: فی شمارہ **85** روپے
سالانہ **1000** روپے۔ پانچ سال: **5000** روپے
تاحیات **20,000** روپے

تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ
سونیری بنک لمیٹڈ، مین برانچ، لاہور
PK92SONE0000120000056341

برائے رابطہ
136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

کمپوزنگ: حافظ محسن یوسف
0306-4640366

فکر و نظر

مفتی تقی عثمانی اور عمران خان

دینی سیاسی جماعتوں کے لیے ایک اہم تجویز

فرمایا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب جیسے غیر سیاسی عالم دین نے کہ پاکستان بحرانوں کا شکار ہے۔ اگر عوام کھڑے ہو جائیں تو حکومت گھٹنے ٹیک دے گی۔

ہم البرہان میں پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ اسٹیبلشمنٹ جس طرح ملک کی اس بڑی سیاسی جماعت کو اقتدار نہ دینے کے لیے لاقانونیت اور ظلم و جبر کا ہر ہتھیار آزما رہی ہے جسے عوام نے ۸ فروری کے انتخابات میں سب سے زیادہ ووٹ دیے تھے۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ عمران خان اس وقت پاکستان کے سب سے زیادہ پاپولر لیڈر ہیں۔ دوسری طرف دینی سیاسی جماعتیں ہیں جو ووٹ نہیں لے پاتیں اور تیسری بات یہ ہے کہ ہمارے دیکھتے دو دفعہ عوام سڑکوں پر آئے (ایک دفعہ ایوب خان کے خلاف اور دوسری دفعہ بھٹو کے خلاف) اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ساری سیاسی اور دینی جماعتیں حکومت وقت کے خلاف اکٹھی ہو گئی تھیں۔

اس وقت عملاً صورتِ حال یہ ہے کہ ساری سیاسی جماعتیں ایک طرف ہیں اور عمران خان کی تحریک دوسری طرف۔ عمران خان اور دوسرے قائدین ظلم و جبر کا شکار ہیں لیکن پاپولر ہونے کے باوجود عوام ان کے حق میں موبلائز نہیں ہو رہے۔ دوسرے اسباب کے علاوہ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ دینی سیاسی جماعتیں عمران خان کی تحریک کی حمایت نہیں کر رہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ چند بنیادی مطالبات عمران خان اور اس کی جماعت کے سامنے رکھیں اور اگر ان پر تحریک انصاف اور دینی سیاسی جماعتوں کا اتفاق ہو جاتا ہے تو ساری دینی جماعتیں عمران خان کی جماعت کی حمایت کریں (وہ اپنا وجود اور سرگرمیاں جاری رکھیں) لیکن موجودہ سیاسی چپقلش میں وہ اسٹیبلشمنٹ کے مقابلے میں عمران خان کی جماعت کی حمایت کریں تاکہ عوام اٹھ کھڑے ہوں اور موجودہ حکومت کا تختہ الٹ دیں۔

بعد میں جب عمران خان کی جماعت اقتدار میں آئے تو دینی سیاسی جماعتیں متحد ہو کر اپنے مطالبات پر عمل کرائیں۔ ہمارے نزدیک یہ مطالبات مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں:

۱۔ سود کا خاتمہ ۲۔ ذرائع ابلاغ سے فحاشی اور عریانی کا خاتمہ

۳۔ نظام تعلیم کی اصلاح کرنا۔ (مخلوط تعلیم ، انگلش میڈیم، مہنگی تعلیم اور غیر ملکی تعلیم کا خاتمہ اور نظامِ تعلیم و تربیت کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنا۔ اردو کا نفاذ)۔

۴۔ مہنگائی کے خاتمے کے لیے پلانڈ ڈیفالٹ (دس سال کے لیے قرضوں کی ادائیگی سے معذرت)۔ سادگی کو فروغ دینا۔ بنکوں کی نیشنلائیزیشن۔ IMF سے مدد نہ لینا۔

۵۔ عدلیہ، انتظامیہ، مقننہ اور حکومتی ادارے تمام فیصلے قرآن وسنت کے مطابق کرنے کے پابند ہوں گے۔ ان کی تعلیم و تربیت کے اداروں کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کیا جائے گا۔

ہم دینی جماعتوں کے قائدین کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری اس تجویز پر ہمدردانہ غور فرمائیں اور اگر اسے مناسب سمجھیں تو اس پر عمل درآمد کی راہ ہموار کریں۔ عمران خان چونکہ ُریاست مدینہ ٗ کے علمبردار ہیں اس لیے توقع ہے کہ وہ ان تجاویز کو مان لیں گے۔

بقیہ: یونیوسٹیوں میں تحقیق۔ ہم کہاں کھڑے ہیں؟

تاریخ ادب فارسی کے لیے ای۔ جی۔ براؤن کی *Literary History of Persia*

ایرانی تاریخ کے لیے پی۔ ایم سائیکس کی A History of Persia

اور عثمانیوں کی تاریخ کے لیے سراسر مستشرقین پر بھروسہ نہ کرنا پڑے۔ جن پر ہم ستر سال سے تکیہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔

تاریخ، ادب اور علوم اسلامیہ کے اساتذہ کے لیے کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ وہ اپنی تحقیقات سے اپنے طلبہ کے لیے ایسی معیاری تصانیف سامنے لائیں جو علمی مقدمات کو آگے بڑھائیں اور تحقیق و تفتیش کے کلچر کو فروغ ملے۔ اس جدلیاتی معاشرے میں فکر اور مکالمے کی فضا پروان چڑھے۔

مغربی جامعات کے اساتذہ کی تحقیقی کاوشیں، ان کی کتابیں دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ تدریس کے ساتھ ساتھ اتنا علمی اور تحریری کام بھی کرتے ہیں اور ہم؟

تعلیم و تربیت پروفیسر ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر [۱]

یونیوسٹیوں میں تحقیق ۔ہم کہاں کھڑے ہیں؟

کبھی کبھی مَیں سوچتی ہوں کہ علمی اعتبار سے ہم کب اپنے پیروں پر کھڑے ہوں گے؟ سولہویں صدی تک مسلمانوں نے علوم وفنون کی ترقی میں جو کردار ادا کیا وہ اب قصۂ ماضی بن چکا ہے۔ اس کا اعتراف ضرور کریں لیکن عصر جدید میں علوم کی تحقیق و تدوین کے جن سائنٹفک طریقوں کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے اس میں ہم کب خود کفیل ہوں گے؟

ہماری جامعات میں تاریخ، علوم اسلامیہ اور تاریخِ ادب کے مضامین میں مستشرقین ہی کی کتابیں داخل نصاب ہیں۔ اب وہ وقت آجانا چاہیے کہ ہمارے طلبہ

- قرآن کی زبان، الفاظ و اسلوب کے لیے: آرتھر جیفری کی
Foreign Vocabulary of the Quran
- دینیات کے لئے اے۔ ایس۔ ٹریٹن کی *Muslim Theology*
- حدیث کے لئے الفرڈ گیلام کی *Tradition of Islam: An Introduction to the study of the Hadit Literature*
- اسلامی قانون کی تاریخ کے لیے جوزف شاخت کی
Origins of Mohammadan jurisprudence
- تصوف کے لیے اے جے آربری کی
Introduction to History of Sufism
- اسلامی فلسفہ کے لیے ٹی۔ جے۔ ڈی بوئر کی
History of Philosophy in Islam
- عربی ادب کی تاریخ کے لئے آر اے نکلسن کی
Literary History of the Arabs

(بقیہ صفحہ نمبر ۵)

---

[۱] دانشور اور مورخ، سابق صدر شعبہ اسلامی تاریخ، کراچی یونیورسٹی

تعلیم و تربیت حافظ محمد عمران طحاوی

ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل - ایک علمی و فکری نشست

مولانا ظفر علی خاں فاؤنڈیشن لاہور میں مدیر البرہان کے لیکچر کی تلخیص

مولانا ظفر علی خاں فاؤنڈیشن نے ۲۰ / جولائی ۲۰۲۴ء کو اپنے آڈیٹوریم میں 'ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل' کے عنوان سے ایک علمی نشست کا اہتمام کیا اور ممتاز ماہر تعلیم و علوم اسلامیہ پروفیسر ڈاکٹر محمد امین صاحب کو خطاب کی دعوت دی۔ فاؤنڈیشن کے رکن حکیم راحت نسیم سوہدروی نے ڈاکٹر امین صاحب کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحب پچھلے ۳۸ برس سے تحریک اصلاحِ تعلیم کے عنوان سے تعلیم کی اصلاح اور خدمت کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ ہم نے ان کو خطاب کی دعوت دی ہے تاکہ ان کی تحقیق و تجربات سے استفادہ کیا جا سکے۔ اس نشست میں ممتاز اہل علم شخصیات موجود تھیں: صدرِ محفل خالد محمود صاحب، ڈاکٹر ابصار احمد، ڈاکٹر شفیق جالندھری، ڈاکٹر ندیم اسحاق خان، حکیم راحت نسیم سوہدروی، پروفیسر رفرف، علامہ فاروق اکرم اور ممتاز نشریاتی اداروں سے دوست شامل ہوئے۔

ڈاکٹر محمد امین صاحب نے کہا کہ قوموں کی ترقی میں تعلیم کا کلیدی کردار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے اپنے ملک و ملت کی ترقی اور بقاء کے لیے وہاں کے اہل علم سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور ایسی تعلیمی پالیسیاں بناتے ہیں جو انہیں منزل مقصود تک پہنچائیں۔ ہمیں آزاد ہوئے ۷۷ برس گزر گئے لیکن ہم آج تک اپنے ملک میں اس کے نظریات اور اقدار کے مطابق کوئی مستحکم اور مفید تعلیمی پالیسی نہیں بنا سکے۔ مغرب سے برآمد تعلیمی نظام ہمارے مسائل کا حل پیش نہیں کرتا مگر ہم فکری غلامی سے نکلنے کے لیے تیار نہیں۔ تعلیمی ایمرجنسی بیرونی ممالک سے فنڈز لینے کے لیے تو لگائی گئی لیکن سکول سے باہر کروڑوں بچوں کو تعلیم دینے کے لیے کوئی ٹھوس پالیسی بنائی نہیں جاتی اور نہ شرح خواندگی کو بڑھانے کے لیے جی ڈی پی کا وافر حصہ تعلیم کے لیے وقف کیا جاتا ہے بلکہ پنجاب حکومت تو دھڑا دھڑ سرکاری سکولوں کو مغرب زدہ این جی اوز کو دینے کے لیے کوشاں ہے۔

اسلام ہمیشہ سے تعلیم کا حامی رہا ہے۔ پہلی وحی کا آغاز اقراء یعنی پڑھو سے ہوا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تاہم ہمیں ماننا ہوگا کہ مغربی اقوام کا تعلیمی نظام ہمارے مسائل کا حل نہیں، یہ ان کی اقدار اور ضرورتوں کو رکھ کر بنایا گیا ہے لہٰذا ہمیں ایسا تعلیمی نظام مرتب کرنے کی ضرورت ہے جو قرآنی منہج کے مطابق ہو اور ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ کے تقاضوں پر پورا اُترے۔ اس کے لیے ہمارے تعلیمی اداروں میں قرآن حکیم کی تعلیم پر فوکس کرنا ہوگا۔ باقی مضامین کی تعلیم بھی قرآن حکیم کے مطابق ہونی چاہیے خصوصاً عمرانی علوم کی۔ اور تربیت اس کا لازمی جزو ہو کیونکہ جب تک بچوں کو علم پر عمل کا خوگر نہ بنایا جائے، وہ مفید نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ تعلیمی مسائل پر ان کی درجن سے زیادہ کتابیں ہیں جو عصری تعلیم اور ہمارے دینی مدارس میں موجود خامیوں کی نشاندہی کرتی ہیں اور ان کا حل بتاتی ہیں۔ ہمیں اسلام اور نظریۂ پاکستان کو تعلیم کی بنیاد بنانا چاہیے۔ نیز ہمیں تعلیمی ثنویت اور فکری غلامی سے نکلنے کی ضرورت ہے لہٰذا اہل علم اس پر سوچیں۔ اہل اقتدار کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ملک کو تعلیمی بحران سے نکالنے کے لیے اپنے اختیارات استعمال کرنے چاہئیں، پرائیویٹ تعلیمی ادارے قوم کے مستقبل بچوں پر ترس کھائیں، تعلیم کو مہنگا نہ کریں، انگلش میڈیم اور مخلوط تعلیم ختم کریں، فحاشی نہ پھیلائیں، صرف انگلش بول لینے اور نمبر گیم سے صلاحیتیں نہیں پنپتیں۔ تعلیم کا اصل مقصد تربیت ہے اور اچھے مسلمان اور انسان تیار کرنا تعلیمی اداروں کے پیش نظر ہونا چاہیے۔ اس کے لیے اچھے استاد کی تیاری پر بھی فوکس کرنا ضروری ہے۔ آکسفورڈ اور کیمبرج سسٹم کی بجائے ہمیں اپنے نظامِ امتحانات کو مؤثر بنانا چاہیے۔

ڈاکٹر ابصار احمد صاحب نے ڈاکٹر محمد امین صاحب کی تعلیمی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحب قوم کے نباض بھی ہیں اور علاج بھی تجویز کرتے ہیں۔ وہ اداروں جتنا کام تنہا کر رہے ہیں۔ وہ خود بھی متحرک ہیں اور قوم کو تعمیرِ سیرت بذریعہ تعلیم و تربیت کے لیے متحرک کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔

تعلیم و تربیت علامہ فاروق اکرم

تعلیم اور اس کے نتائج ۔ اقبال کی نظر میں

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؂

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقّی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نُما
لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ
تخمِ دیگر بکف آریم و بکاریم ز نو
کانچہ کشتیم ز خجلت نتواں کرد درو

اس نظم میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ نئی تعلیم نے اگرچہ جوانوں کو علم سے روشناس کر دیا، لیکن ساتھ ہی ان میں الحاد بھی آ گیا۔ گویا جو کچھ ہم نے بویا تھا، وہ تو اس قابل نہیں کہ کاٹا جائے اور اسے دیکھ کر شرم آتی ہے، بہتر یہ ہے کہ کوئی نئی چیز بوئیں۔ علامہ نے تضمین کے لیے ملّا عرشی کا شعر منتخب کیا ہے جس کا نام طہماسپ قلی بیگ تھا۔ ابتداء میں عرشی نے احدی تخلص اختیار کیا، پھر اپنی طبیعت کی بلندی کو پیش نظر رکھتے ہوئے عرشی تخلص کرنے لگا۔ وہ شاہ طہماسپ صفوی کا درباری شاعر تھا۔

شرح: ہم جوانوں کی ترقی سے خوش تو ہیں لیکن ہنستے ہوئے لب سے کبھی فریاد بھی بلند ہو جاتی ہے کہ ہم تو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ نوجوان تعلیم پائیں گے تو انہیں اچھے کاروبار کا موقع ملے گا، اچھی ملازمتیں حاصل کریں گے اور مالی اعتبار سے فارغ البال ہو جائیں گے ہمیں کیا خبر تھی کہ اس تعلیم کے ساتھ الحاد اور دین سے بیزاری بھی آ جائے گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ پرویز کے گھر میں شیریں کے جلوے تو نظر آنے لگے مگر وہ اپنے ساتھ فرہاد کا تیشہ بھی لے آئی یعنی مالی اعتبار سے فارغ البالی تو میسر آ گئی، لیکن ساتھ ہی دین کی بربادی کا سامان بھی ہو گیا۔

آخری شعر میں تو ملّا عرشی نے حل یہ نکالا کہ اب نیا بیج کہیں سے حاصل کریں اور اسے از سر نو بوئیں کیونکہ جو کچھ ہم نے پہلے بویا تھا، اس کی تیار فصل اس قابل ہی نہیں کہ کاٹی جائے۔

اسلام اور پاکستان

مفتی محمد تقی عثمانی

پاکستان بحرانوں کا شکار اور مغرب زدہ کیوں؟

عوام کھڑے ہو جائیں تو حکومت گھٹنے ٹیک دے گی

۲۱/ جولائی ۲۰۲۴ء کے اخبارات کے مطابق معروف عالمی اسلامی سکالر، وفاق المدارس العربیہ کے صدر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے کراچی میں تاجر برادری کی ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ زندگی کے ہر شعبے میں مغرب کو آئیڈیل بنالیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملک کو کتنے وسائل عطا فرمائے ہیں۔ کون سی قدرتی دولت ہمارے پاس موجود نہیں؟ ہم آج تک جھیل سیف الملوک کے راستے کو پکا نہیں کر سکے۔ انگریز ریلوے کی جو لائنیں ڈال گئے تھے، اس کے بعد کوئی نئی لائن نہیں ڈالی گئی۔

سوال یہ ہے کہ غلطی کہاں ہوئی، جڑ کہاں ہے؟ ہم آئی ایم ایف کے غلام ہیں۔ اسی کے نتیجے میں آج ہمارا بچہ بچہ قرض دار ہے۔ ہم آئی ایم ایف کے بغیر نہیں چل سکتے۔ ان حالات میں سیاسی نظام کے ذریعے اسلامی نظام کا لانا مجھے مشکل لگتا ہے۔ دنیا میں انقلاب صرف حکومت کے ذریعے نہیں آتے، عوام کے ذریعے آتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس وقت سیاسی اور اقتصادی بحرانوں کا شکار ہیں۔ حالات ایسے ہیں کہ ہر شخص میں مایوسی پھیل رہی ہے۔ تاجر برادری سیاست کو بھی صحیح راستے پر آنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ کاروباری حضرات دیگر ممالک میں جا کر فلسطین میں مدد پہنچانے کی کوشش کریں۔ انہوں نے کہا کہ دنیا میں تھنک ٹینک طویل مدتی پالیسیوں پر غور کرتے ہیں۔ ہم ہر الیکشن میں دھاندلی کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں مغرب کو آئیڈیلائیز کر لیا گیا ہے۔ تاجر برادری کے باہمی اتحاد اور اتفاق سے ہی امپورٹڈ مصنوعات کا مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب نے کہا کہ ہمارے ملک کو بے شمار مسائل درپیش ہیں۔ زرمبادلہ کی کمی ہے۔ یہ تحریک چلائی جائے کہ امپورٹڈ چیزیں ہم نہیں منگوائیں گے، خاص طور پر ایسے دشمنوں کی چیزیں جو مسلمانوں کے گلے کاٹ رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم سیاسی نظام میں غلام ہیں، آزاد نہیں۔ عوام کھڑے ہو جائیں تو حکومت گھٹنے ٹیک دے گی۔ (نوائے وقت کراچی)

اسلام اور پاکستان ڈاکٹر اکرام الحق یاسین

دین کی بنیاد پر سماجی سہولت پروگرام اور فروغ اردو

آج صبح صبح پاک قومی زبان تحریک کے واٹساپ گروپ میں قومی زبان کی ترویج کے بارے میں پروگرام اور سفارشات پر نظر پڑی۔ ان کی محنت بہت قابل قدر ہے۔ راقم کے ذہن میں کچھ عرصے سے دینی ہدایات کی بنیاد پر سماجی خدمت کے منصوبوں کی خاکہ سازی کا خیال آرہا تھا جن میں چار قسم کے منصوبے تھے:

۱۔ فوری سماجی مدد کے لیے "ماینفع الناس" کے عنوان کے تحت منتخب اور بڑی مساجد میں سہولت مراکز قائم کرنا جن میں عائلی مسائل روزمرہ کے کاروباری مسائل اور صحت کے مسائل فی الحال پیش نظر ہوں اور فوری ریلیف کا عملی انتظام ہو۔

۲۔ بتدریج خودمختار بنانے کے لیے ''ماعون'' کے عنوان کے تحت سہولت مراکز کا قیام جن میں روزمرہ ضرورت کی چیزیں دنوں ہفتوں اور گھنٹوں کی بنیاد پر عارضی دی جائیں ریکارڈ رکھا جائیں اور چیزیں واپس آکر دوسروں کو ملا کریں۔

۳۔ عوام کے مختلف محکموں اور شخصیات سے متعلق کاموں میں جائز سفارش کے لیے ''شفاعت حسنہ'' کے تحت سہولت مرکز جن میں ریٹائرڈ افسران جج صاحبان وکلا اور معاشرے کی مؤثر شخصیات رضا کارانہ طور پر ہفتے کے کچھ اوقات وقف کریں اور اپنے اثر رسوخ کی بنیاد پر لوگوں کے مفت کام کروایا کریں۔

۴۔ عمومی سماجی معاشی اور صحت وغیرہ سے متعلق آگاہی پیدا کرنے کے لیے ''دلالت علی الخیر'' کے نام سے سیمینارز اور آگاہی پروگرام۔

مقصد یہ تھا کہ یہ عملی منصوبے عملی مسلمان رضاکاروں کے ہاتھوں روبہ عمل آئیں فائدہ اٹھانے والوں پر رنگ نسل مذہب عقیدے کی کوئی پابندی نہ ہو نہ کسی کو اپنے دین عقیدے یا

نسل کے بارے میں کوئی بات سننی پڑے تو میرے محدود سے خیال میں اس کا بڑا فائدہ ہوگا۔ یہ سب کام آسان اردو زبان میں ہوں تو فروغ اردو بھی مؤثر انداز میں ہوجائے گا۔ کسی جگہ غیر مسلم بھائی رضا کار بننا چاہیں تو وہ بصد شکریہ شامل ہوں۔ ان پروگراموں سے مذہبی ہم آہنگی کو بھی بڑا فائدہ پہنچنے توقع ہے۔

سب پروگراموں کا تفصیلی خاکہ تو یہاں دینا مشکل ہے۔ دلالت علی الخیر کی کچھ تفصیل عرض کردیتا ہوں کہ سلسلہ جنبانی کا کام دے سکے۔

جگہ جگہ پیشہ ورانہ عوامی سیمینار کروائے جائیں جن میں ہر شعبہ زندگی کے ماہرین اپنے علم کی روشنی میں عوامی آگہی پر خطاب کیا کریں۔ یہ خطاب آسان اردو میں ہو اور سوال وجواب کا موقع بھی دیا جائے۔ امید ہے بہت جلد تمام شعبوں اردو مؤثر ہوتی جائے گی۔

یعنی آنکھوں کے ڈاکٹر آنکھ کی بنواٹ لائحہ عمل کارگزاری اور تحفظ کے بارے میں دل کے ڈاکٹر اپنے تخصص کے بارے میں گردوں کے ڈاکٹر اپنے تخصص کے بارے میں۔

اسی طرح مختلف تخصصات کے وکلا اور جج صاحبان اسی طرح کاروباری شخصیات اور عملی معیشت کے ماہرین اسی طرح علمائے دین مختلف اعمال کے عملی طریقوں اور سماجی اثرات کے بارے میں وقس علی ذلك اسی طرح چلتے جائیں۔ اگر اپنے خطابات میں قرآنی آیات اور دینی ہدایات کا ذکر بھی کرتے جائیں تو نہ صرف اردو کو رواج ہوگا بلکہ دین کے ساتھ وابستگی بھی اچھی ہوگی۔

یہ خطبات تسلسل کے ساتھ ہوں شہروں اور دیہاتوں میں ہوا کریں سوشل میڈیا پر بھی جاری ہوا کریں اور ان کا زیادہ سے زیادہ چرچا ہوا کرے۔

اللہ کی توفیق سے سارے کام ہوجاتے ہیں... اس کام کو دینی اصطلاح کی روشنی میں ''دلالت علی الخیر کے عملی پروگرام'' کہہ سکتے ہیں. یہ نام حدیث شریف الدال علی الخیر کفاعلہ سے لیا گیا ہے۔

غامدیت

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

گمراہی کیا ہے؟

علماء کرام جاوید غامدی، عمار ناصر اور ان کے ہمنواؤں کو گمراہ کیوں کہتے ہیں؟

ان پروفیسروں اور علماء کے غور وفکر کے لیے جو غامدی مذہب کو جائز مسلکی اختلاف سمجھتے ہیں

سوشل میڈیا کی پرچون فروشی

ہم نے چند دن پہلے ایک یونیورسٹی کے علوم اسلامیہ کے ایسے پروفیسر صاحب سے [۱] برقی مراسلت شروع کی جو پہلے تو جاوید غامدی صاحب کو غلط سمجھتے تھے لیکن اب وہ نیوٹرل ہو گئے ہیں لیکن دو برقی خطوط کے تبادلے کے بعد انہوں نے اپنے واٹس ایپ گروپ 'فکر اسلامی' میں مناقشہ بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔ اس پر ہم نے البرہان شمارہ جولائی میں اپنا نقطۂ نظر واضح کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے دو تین دن اس پر بحث اوپن کی اور لوگوں نے موضوع کے حق میں اور اس کے خلاف اظہارِ خیال کیا اور جب ہم جواب دینے کا سوچ رہے تھے تو انہوں نے بحث پھر بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔ اگلے دن ان کے واٹس ایپ گروپ میں تحریفِ قرآن پر بحث شروع ہو گئی اور اس کے اگلے دن علم کلام پر۔ گویا ثابت ہو گیا کہ آج کا سوشل میڈیا (فیس بک، واٹس ایپ گروپ، یوٹیوب وغیرہ) کا کردار ایک پرچون فروش کا ہے۔ پرچون فروش کے پاس سیکڑوں اشیا پڑی ہوتی ہیں، گاہک جو چاہے خرید لے (یا بائع کے اپنے Hidden مقاصد ہوں تو پرچون فروشی کے کوَر (Cover) میں وہ جو چاہے بیچے) یہاں آپ کوئی سنجیدہ ونتیجہ خیز علمی بحث کر ہی نہیں سکتے۔

فکری آزادی

اقبال نے ٹھیک کہا تھا ؎ آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

آج آزاد خیالی یا فکری آزادی کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ تجدد کی راہ کھولی جائے۔ یہ صحیح ہے کہ فکری جمود غلط ہے۔ اسی لیے ہم بھی جمود کے خلاف ہیں اور اجتہاد اور حرکت کے

---

[۱] ڈاکٹر طاہر اسلام عسکری صاحب، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

علمبردار ہیں لیکن فکری آزادی کا مطلب مغرب کی فکری غلامی قبول کرنا نہیں اور فکری آزادی کا مطلب 'ترکِ جمود' ہے، 'ترکِ روایت' نہیں۔ اسی لیے اقبال نے کہا تھا کہ مسلمانوں کی پسماندگی کا علاج 'آگے بڑھنے' (یعنی دنیا کی غالب الحادی مغربی تہذیب یا ہم عصر جدیدیت کو قبول کرنے) میں نہیں بلکہ 'پیچھے جانے' میں ہے یہاں تک کہ ہم عہد صحابہ تک پہنچ جائیں اور ایمان کی قوت سے دنیا کو زیروزبر کردیں۔

ہمارا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟

اس وقت امت مسلمہ کا بنیادی مسئلہ یا اس کو درپیش بنیادی ترین چیلنج مغرب کی کفریہ تہذیب کا فکری وعملی غلبہ ہے جو مسلمانوں کو اسلام سے دور کررہا ہے اور انہیں زوال سے نکلنے نہیں دے رہا۔ اس غالب الحادی تہذیب نے اور دو تین سو سال کی غلامی نے ہم مسلمانوں کو اس تہذیب کا فکری اور عملی غلام بنا رکھا ہے۔ ہمارے بیشتر حکمران (بلکہ حکمران طبقے) مغرب کی اس غالب کفریہ تہذیب کے فکری وعملی غلام ہیں اور ہمارے اہلِ علم وفکر اور اہل دانش کی ایک کثیر تعداد ان کی فکری غلام ہے اور ایسے افراد بہت کم ہیں جو اس تہذیب سے بالاتر ہو کر سوچ سکیں، اس کے فکری غلبے کو چیلنج کر سکیں، اسے اسلام کے مقابلے میں غلط اور کم تر ثابت کر سکیں اور اس کے مقابلے میں اسلام کی فکری وعملی بالادستی کے علمبردار ہوں۔

تجدد کیا ہے؟

مغربی تہذیب کے اس فکری غلبے کے نتیجے میں آزادیٔ خیال یا فکری آزادی 'تجدد' کو جنم دیتی ہے۔ تجدد کیا ہے؟ تجدد یہ ہے کہ اسلام کی تشریح مغربی فکر وتہذیب کی روشنی میں کی جائے اور یہ اسلام کے ساتھ ظلم ہے۔ یہ اللہ کے دین کے ساتھ کھلواڑ ہے کیونکہ مغربی فکر وتہذیب اسلام سے متناقض ہے، یہ جاہلیتِ خالصہ ہے، یہ دین اللہ کو ردّ کرتی ہے اور 'لَا اِلٰہ اِلَّا الانسان' کی مدعی ہے۔ اس تہذیب کی بنیاد ہیومنزم ہے جو انسان کو اللہ کی جگہ پر بٹھاتا ہے۔ موجودہ تہذیب کا پیدا کردہ 'ہیومن بی اِنگ' ابلیس ہے۔ یہ نمرود اور فرعون سے بڑھ کر خدا کا دشمن ہے، انبیاء کرام کا دشمن ہے، آخرت کا منکر ہے اور اللہ کے آگے فرمانبرداری (اسلام) کی بجائے اپنی خواہشاتِ نفس کو الٰہ بنائے ہوئے ہے۔

متجد دین کون ہیں؟

یہ مغرب کی کفریہ غالب تہذیب سے مرعوب فکری مفلسوں کا وہ گروہ ہے جو مسلمانوں کی بقاء اور استحکام اسلام کی بجائے مغرب کی الحادی اور غالب تہذیب میں دیکھتا ہے اور اس کے لیے اسلام کی کتر بیونت کر کے، اس کی تعلیمات کو مغربی تہذیب کے مطابق ڈھالتا ہے تا کہ مغربی تہذیب کا چولا اس پر فِٹ (fit) آ جائے۔ جب سے مسلمان بحیثیت مجموعی اسلام سے دور ہو کر کمزور ہوئے ہیں اور بعد میں مغرب کے غلام ہوئے ہیں یہ متجد دین ہر اسلامی ملک میں پیدا ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں اس کے پہلے بڑے علمبردار سر سید احمد خاں تھے اور دوسرے غلام احمد قادیانی۔ ہمارے نزدیک سر سید اور غلام احمد قادیانی میں فرق یہ ہے کہ سر سید گمراہ تھے لیکن مخلص تھے۔ اس کے مقابلے میں غلام احمد قادیانی اسلام اور مسلمانوں کے لیے مخلص نہ تھے بلکہ حبِّ جاہ و مال کے نفسانی مرض کی وجہ سے انہوں نے استعمار کی مدد سے نبوت اور دینی سیادت کا راستہ نکالا۔ اسی وجہ سے علامہ اقبال نے قادیانیت کو برطانیہ کا خود کاشتہ پودا کہا تھا اور جمہور علماء اسے ملت کا غدار سمجھتے ہیں جس نے برطانوی مدد سے جعلی نبوت سے امت کو توڑنے کی کوشش کی۔

ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جاوید غامدی صاحب کا رویہ سر سید کے مقابلے میں غلام احمد قادیانی سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔ اس کے قرائن مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ دونوں مسلمانوں کے مقابلے میں مغرب کے حامی بلکہ مغرب پرست ہیں۔ مرزا قادیانی اس وقت ترکوں پر برطانوی فوجوں کی فتح پر جشن مناتے اور چراغاں کرتے تھے۔ غامدی صاحب آج مسلم افغانستان پر امریکہ اور یورپی ممالک کے حملے کی حمایت کرتے ہیں۔

۲۔ دونوں جہاد کے مخالف ہیں۔

۳۔ دونوں نزولِ مسیح کے منکر ہیں۔

۴۔ دونوں اجماعِ امت کے خلاف ہیں۔

۵۔ دونوں قرآن کی اپنی مرضی سے تشریح کرتے ہیں۔

۶۔ دونوں سنت کی پروا نہیں کرتے۔

٧۔ عمار ناصر برسوں سے لکھ رہے ہیں کہ بیت المقدس پر یہودیوں کا حق مسلمانوں سے فائق ہے۔

٨۔ غامدی اور عمار غلام احمد قادیانی کی نبوت کی شناعت کو کم کرنے کے لیے دلائل دیتے رہتے ہیں مثلاً یہ کہ بعض صوفیاء ختم نبوت کے قائل نہ تھے۔ عمار ناصر صاحب قادیانیوں کی بالواسطہ حمایت کرتے رہتے ہیں اور انہیں پاکستان میں وہ حقوق دلوانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں جن کے جمہور علماء قائل نہیں ہیں۔

٩۔ منصبِ نبوت کو مشتبہ بنانا: غلام احمد قادیانی کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی نہ ماننا اور خود میں آپ والی ساری صفات کا اثبات کرنا۔ غامدی صاحب کا یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ احادیث کی حیثیت تاریخ کی سی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی کوئی ایسی تشریح نہیں کر سکتے جو (غامدی صاحب کی رائے میں) قرآن کے خلاف ہو، وغیرہ۔

١٠۔ مرزا صاحب علی الاعلان انگریزوں سے مالی مدد مانگتے تھے۔ غامدی صاحب کا حال یہ ہے کہ ١٩٨٧ء میں جب ہمارا ایک سال ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رہا اس وقت ان کے لیے گھر کا ماہانہ بجٹ چلانا مشکل تھا۔ آج وہ امریکہ میں عالی شان رہائش رکھتے اور ایک بڑا اسلامی مرکز امریکہ میں اور ایک مرکز پاکستان میں چلا رہے ہیں۔ ان کے پراجیکٹس کے لیے مالیات کی فراہمی کوئی مسئلہ نہیں۔ پاکستان میں ان کا عروج مشرف کی حکومت میں ہوا جو امریکی اشیرباد سے قائم تھی بلکہ جب وہ افغانستان میں اسلام اور مسلمانوں کو کچلنے کے لیے امریکی گماشتے کا کردار ادا کر رہی تھی۔ اس سے امریکی معاونت سے غامدی صاحب کی ذاتی خوشحالی اور ان کے مشن کی کامیابی کی کوششوں کے رُخ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

وَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

نیا تصورِ دین قابل قبول نہیں

دیکھیے! اسلام میں نئے امور میں اجتہاد کی اجازت ہے لیکن یہ اجتہاد قرآن وسنت کی روشنی میں ہونا چاہیے نہ کہ مغربی فکر وتہذیب کی روشنی میں۔ اسی طرح اسلام تجدید کی حمایت کرتا ہے۔ تجدید کا مطلب یہ ہے کہ بدعات وخرافات اور غیر اسلامی رسوم ورواج جو اسلام میں داخل

ہو گئے ہوں، اسلام کو ان سے پاک کیا جائے اور اسلام کا اصل چہرہ جو عہد نبوی اور عہد صحابہ میں تھا، وہ بحال کیا جائے۔ لیکن اسلام میں تجدد قابل قبول نہیں ہے۔ تجدد یہ ہے کہ اسلامی نصوص کی تشریح غیر اسلامی افکار (مثلاً مغرب کی الحادی تہذیب) کی روشنی میں کی جائے یا نیا اجتہاد غیر اسلامی افکار کی روشنی میں کیا جائے۔

اجتہاد و تجدید کے علاوہ نصوص قرآن و سنت میں سے کسی کی کوئی ایسی تشریح کی جا سکتی ہے جو اسلاف اور جمہور علماء سے مختلف ہو لیکن تمام امور میں یا اکثر امور میں یہ کہنا کہ چودہ سو سال تک جمہور علماء دین کو صحیح نہیں سمجھے اور صحیح دین صرف وہ ہے جو مَیں سمجھا ہوں، یہ کہنا نقل و عقل دونوں کی رو سے نا قابل قبول ہے اور صریح تجدد اور بے دینی ہے۔

اسی طرح دین کے بنیادی تصورات کی نئی تشریح کرنا جیسے یہ کہنا کہ دین کا حقیقی نصب العین وہ ہے جو مَیں کہہ رہا ہوں نہ کہ وہ جو امت کے علماء پچھلے چودہ سو سال سے سمجھتے رہے ہیں۔ یا یہ کہنا کہ قرآن کو چودہ سو سال تک جمہور علماء نہیں سمجھے، مَیں اس کے جو معانی سمجھ رہا ہوں وہ صحیح ہیں یا یہ کہنا کہ سنت کی جو تعریف مَیں کر رہا ہوں وہ صحیح ہے اور علماء پچھلے چودہ سو سال سے سنت کی جو تعریف کرتے آرہے ہیں وہ غلط ہے۔ جو آدمی یہ کہتا ہے وہ گویا دین کا ایک نیا تصور پیش کرتا ہے جس کی اپنی ترجیحات ہوں اور جس کے اپنے اصول و اقدار ہوں۔ ظاہر ہے اس طرح کا دین کا کوئی نیا تصور امت قبول نہیں کر سکتی۔ جمہور علماء ہمیشہ ایسے نئے تصورِ دین کی مزاحمت کرتے ہیں۔ اسی لیے پاکستان کے جمہور علماء غامدی اور عمار ناصر کو غلط اور گمراہ قرار دیتے ہیں اور اسی وجہ سے ہم بھی غامدی صاحب کے نئے تصورِ دین کی مزاحمت کر رہے ہیں۔

انکار و استخفافِ سنت

دیکھیے! امت چودہ سو سال سے 'سنت' کو دین کا قرآن حکیم کے بعد دوسرا بنیادی ماخذ سمجھتی آرہی ہے اور سنت کی اس تعریف پر کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل و تقریر کا نام ہے، اور یہ وحیٔ غیر متلو ہے، پر متفق ہے اور اسے واجب العمل سمجھتی ہے۔ اس سے اختلاف نہیں کیا سوائے خوارج، معتزلہ، قدریہ، جہمیہ وغیرہ گمراہ گروہوں کے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ متجد دین خواہ پرانے ہوں یا نئے، آخر سنت کے پیچھے کیوں

پڑتے ہیں اور اس کی حجیت پر کیوں حملہ آور ہوتے ہیں، اسے کیوں مشکوک ٹھہراتے ہیں؟ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ سنت قرآن کی من مانی تشریح کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اگر سنت نہ ہوتو آپ قرآن کی تفسیر اپنی مرضی سے جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ آپ نام قرآن کا لیں اور اس کے پردے میں اپنی ذاتی رائے کو قرآن کا منشا کہہ کر پیش کر سکتے ہیں۔ اس لیے متجد دین ہمیشہ سنت کا انکار کرتے ہیں، اس کی حجیت کو مشکوک ٹھہراتے ہیں، اس پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ صحیح الفکر علماء ومحدثین ہمیشہ سے ان منکرین سنت کو مسکت جواب دیتے آئے ہیں لیکن یہ لوگ بھیس بدل کر، اسلوب بدل کر، تلبیس کرتے ہوئے سنت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اعتراض کرتے رہتے ہیں اور اس کے مقابلے میں قرآن پر زور دیتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ قرآن پر عمل زیادہ ضروری ہے۔ بلاشبہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اس پر عمل بہت ضروری ہے لیکن اس پر عمل اسی طرح کیا جائے گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا یا کرنے کو کہا، نہ کہ اپنی مرضی سے اور اپنی عقل سے۔

اگرچہ ماضی کے خوارج ومعتزلہ نے بھی سنت پر کچھ اعتراض کیے تھے لیکن ہمارے عہد میں اکثر متجد دین وہی اعتراضات نقل کرتے ہیں جو لوئی میسونن، گولڈ زیہر، شاخت اور دوسرے قدیم وجدید مستشرقین نے کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کو حضرت ابراہیمؑ کے نام پر اکٹھا کیا جائے۔ (جس کی تازہ مثال وہ ابراہام ایکارڈز (Abraham Accords) ہیں جو (عیسائی) امریکیوں نے (یہودی) اسرائیلیوں سے متحدہ عرب امارات، بحرین، مراکش، سوڈان وغیرہ جیسے مسلمان ممالک سے کرائے ہیں)۔ اسی پس منظر میں غامدی صاحب اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ سنت سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے بلکہ وہ فرماتے ہیں:

''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے (جو عرب کے مشرکین اور یہود ونصاریٰ میں چلی آرہی تھی جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تجدید واصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں جاری کیا۔ (۱)

مزید کہتے ہیں کہ '' دین لاریب انہی دوصورتوں میں ہے اس کے علاوہ کوئی چیز نہ دین

---

(۱) میزان، ص ۱۴۰

ہے نہ اسے دین قرار دیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کے اخبار احاد جنہیں بالعموم 'حدیث' کہا جاتا ہے، دین میں ان سے کسی عقیدہ و عمل میں اضافہ بھی نہیں ہوتا۔ [1]

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

''سنتوں کی تعداد صرف ۲۵ ہے اور یہ کہ احادیث محض تاریخ ہیں، دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں، ان کو تاریخ سمجھ کر پڑھیے۔ جب آپ حدیث کو دین کے حوالے سے پڑھیں گے تو آپ بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔'' [2]

مطلب یہ کہ غامدی صاحب کے نزدیک سنت صرف وہ ہے جس کی تائید تورات اور انجیل کریں (جن کو قرآن محرف کہتا ہے [3] اور ان کے ماننے والوں کو کافر کہتا ہے) [4] یا جس کی تائید ابوجہل و ابولہب کریں (جنہیں قرآن مشرک اور کافر کہتا ہے) تب وہ سنت ہے، مسلمانوں کا دین ہے اور ان کے لیے واجب العمل ہے۔ لیکن اگر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کریں (جنہیں قرآن نے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ﴾ کی سند دی ہے اور بہت سوں کو اللہ کے رسول نے زندگی میں جنت کی بشارت دی ہے تو وہ دین نہیں تاریخ ہے۔

یا للعجب! ہم حیران ہیں کہ سنت کے بارے میں یہ کیا مؤقف ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ کوئی مسلمان حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر ابولہب و ابوجہل کو ترجیح دینے پر اور بخاری و مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح احادیث پر محرف تورات و انجیل کو ترجیح دینے پر ان کو گستاخِ رسول و صحابہ سمجھ کر ان کے درپے نہ ہو جائے۔

اسی طرح غامدی صاحب سورۃ النور کی آیت ۲ میں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوڑوں کی سزا کو صرف زانی غیر محصن کے لیے قرار دیا ہے، اُس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''سنت قرآن مجید کے کسی حکم اور قاعدے کو منسوخ کر سکتی ہے اور نہ اس میں کسی نوعیت کا

---

[1] میزان، ص:۱۵

[2] https://fb.watchobpx6lohd21

[3] البقرہ ۲:۷۵

[4] البقرہ ۲:۱۰۵

کوئی تغیر اور تبدل کر سکتی ہے.... رہی پہلی بات یعنی یہ کہ اسے قرآن کے الفاظ کی مراد اور ان کی شرح قرار دیا جائے تو ہم پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ عربی زبان کے اسالیبِ بیان میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لغت قرآن سے واقف کوئی شخص اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ ﴿اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ﴾ کے الفاظ سے محض کنوارا زانی اور کنواری زانیہ بھی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ آیت کے الفاظ اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے اس کی نفی کرتے ہیں۔ جملے کی ترکیب و تالیف اس سے ابا کرتی ہے۔ کلام کے سیاق و سباق کو اسے قبول کرنے سے انکار ہے۔ عرف و عادت کی دلالت کی بنا پر اسے متکلم کا منشا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ قاضی عقل بالصراحت اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیتا ہے۔ غرض کسی لحاظ سے اسے قرآن مجید کے مدعا کی شرح و تبیین قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ یہ اگر شرح ہے تو پھر بیل سے گھوڑا مراد لیا جاسکتا ہے۔ زمین کا لفظ آسمان کے معنی میں بولا جاسکتا ہے۔ ثریا سے ثریٰ کا مفہوم اخذ کیا جاسکتا ہے۔ آفتاب ماہ کا ہم معنی ہوسکتا ہے اور نور کو ظلمت کے محل میں استعمال کرسکتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو اسے شرح کہنے کی جسارت کرتا ہے، بغیر کسی خوف تردید کے کہا جاسکتا ہے کہ وہ قرآن کی بلاغت پر حرف لاتا، اس کی فصاحت سے انکار کرتا اور اس کی ابانت کو مجروح ٹھہراتا ہے۔''

راقم کو ایک صاحب نے کہا کہ اس مقام پر غامدی صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی ہے اور میرا دل کرتا ہے کہ عدالت میں ان پر توہین رسالت کا مقدمہ کر دوں۔

ہم کہتے ہیں کہ صرف سنت کے انکار و استخفاف اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت کی توہین کی بناء پر جاوید غامدی صاحب کو بآسانی گمراہ کہا جاسکتا ہے گوکئی لوگ انہیں پرویز کی طرح انکار سنت کے الزام میں کافر قرار دیتے ہیں اور کئی بڑی دینی جامعات کے دارالافتاء نے ان کی تکفیر بھی کی ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ جاوید غامدی کے جرائم کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان کا بنیادی مرض تجدد ہے اور اس کی بناء پر وہ سنت کے علاوہ اجماع کا انکار کرتے ہیں، جہاد کا انکار کرتے ہیں، قادیانیوں کی حمایت، نزول عیسیٰؑ کا انکار کرتے ہیں، اسلامی ریاست کا انکار کرتے ہیں، تصویر سازی، پردے، دوپٹے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، مسلمان عورت ہندو سے شادی کرسکتی ہے وغیرہ وغیرہ ان کے غیر شرعی ''اجتہادات'' کی ایک طویل فہرست ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا تصور دین ہی عام مسلمانوں سے الگ ہے اور وہ چودہ سو سالہ مسلم علمی

روایت کو پاؤں کی نوک پر رکھتے ہیں۔

تلبیس کا رویہ

ماضی کے علماء بلکہ منکرین سنت کا رویہ یہ تھا کہ وہ اپنی بات واضح اور دوٹوک الفاظ میں کہتے تھے۔مثلاً ۱۸۵۷ء میں مسلمان انگریزی استعمار اور کفار کو ملک سے نکالنے کے لیے جہاد کر رہے تھے،سر سید نے انگریز افسروں کی جان بچائی اور سر کا خطاب پایا۔پھر انہوں نے علی الاعلان کہا کہ مسلمانوں کی بقا مغرب کے جدید علوم پڑھنے میں ہے۔غلام احمد قادیانی نے صاف کہا کہ مَیں نبی ہوں، جہاد کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔پرویز نے صاف کہا کہ احادیث 'عجمی سازش' ہیں لیکن غامدی صاحب اپنا مؤقف دوٹوک اور واضح انداز میں بیان کرنے کی بجائے تلبیس سے کام لیتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ ہمارے دین کے مآخذ دو ہی ہیں ایک قرآن اور دوسرے سنت۔یہ وہ بات ہے جو مسلمان علماء صدیوں سے کہتے آرہے ہیں لیکن یہ کہنے کے بعد غامدی صاحب سنت کی وہ تعریف کرتے ہیں جو پچھلے چودہ سو سال میں آج تک کسی مسلمان عالم نے نہیں کی اور سنت کے معنی اور مفہوم کو بدل دیتے ہیں۔ایک طرف وہ کہتے ہیں کہ احادیث سے دین ثابت نہیں ہوتا، ان کی حیثیت تاریخ کی سی ہے دوسری طرف وہ ان احادیث کو جو ان کے مفہومِ قرآن کے مطابق ہوں، بلا دریغ اپنے مؤقف کے حق میں بیان کرتے ہیں۔

اسی طرح جب چند سال پیشتر سلمان تاثیر شاتم رسول کے قتل کا واقعہ ہوا تو جمہور علماء نے کہا کہ وہ احادیث اور تعامل امت کی بناء پر مباح الدم اور (واجب القتل) تھا لیکن عمار ناصر نے چند حنفی فقہاء کی بطور استثنیٰ وتفرد اس رائے کو کہ ذمی شاتم کو توبہ کی تلقین کی جائے گی اور اسے معافی دی جاسکتی ہے، اس کو احناف کا مؤقف مشہور کر دیا کہ احناف تو شاتم رسول کے مباح الدم (واجب القتل) ہونے کے قائل ہی نہیں۔

غامدی صاحب کے حامی کہتے ہیں کہ یہ ان کا اخلاص ہے اور ان کا فہم دین ہے جبکہ ان کے مخالفین کہتے ہیں کہ یہ تلبیسِ ابلیس ہے، یہ دو چہرگی اور منافقت ہے (جس کی صریح مذمت قرآن وسنت کرتے ہیں) اور اس عیاری کا مقصد سادہ لوح مسلمانوں کو پھانسنا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ یہ تلبیس زیادہ خطرناک ہے اور علماء کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے آگاہ اور متنبہ کریں تاکہ وہ غامدی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے جال میں پھنس کر غلط عقائد اختیار نہ کریں۔

علمی استدلال کا جھانسہ اور اسلامی سکالرز کی خامی

ہمارے ہاں ایک چیز ہے جسے ’یونیورسٹی ریسرچ‘ کہتے ہیں۔ اس میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ آپ نے ریسرچ معروضیت سے کرنی ہے، جانبداری سے کام نہیں لینا بلکہ سپاٹ انداز میں ’حقائق‘ بیان کردینے ہیں اور کسی کو غلط اور برا نہیں کہنا وغیرہ۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ معروضیت اور غیر جانبداری کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ خود بہت سے مغربی مصنفین اور فلاسفرز (مثلاً کوہن اور پاپر) تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی مصنف ویلیو نیوٹرل (Value Neutral) نہیں ہوتا اور لازماً مصنف کے خیالات کا پرتو اس کی تحریر میں در آتا ہے۔ مثلاً ہم نے پچھلے مضمون میں دلائل کی بنیاد پر کہا (ظاہر ہے مختصر مضمون میں دلائل کی طرف اشارہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ تفصیلی دلائل کے لیے تو کتاب درکار ہوتی ہے) کہ جاوید غامدی صاحب، عمار ناصر صاحب اور ان کے ہم خیال تجدد اور انکار واستخفاف سنت (اور دوسرے بہت سے غلط عقائد کی وجہ سے) گمراہ ہیں۔ ہماری یہ تحریر جب ڈاکٹر عسکری صاحب کے واٹس ایپ گروپ ’فکر اسلامی‘ میں شائع ہوئی تو انہوں نے اور ان کے ہم خیالوں نے ہماری مخالفت کی لیکن ڈاکٹر حسن مدنی صاحب اور ڈاکٹر سعد صدیقی صاحب نے جو کچھ فرمایا اس سے ہمارے مؤقف کی تائید ہوتی ہے لیکن انہوں نے نرم لہجے میں اپنا مؤقف علمی استدلال سے بیان کیا لیکن نتیجے کا ذکر نہیں کیا۔ دونوں نے کہا کہ غامدی صاحب کا نظریۂ سنت غلط ہے لیکن یہ نہیں کہا کہ وہ گمراہ ہیں اور یہ نتیجہ ہے ان کی یونیورسٹی ریسرچ کی تربیت کا۔

علمی نکتہ طرازی اپنی جگہ اور یونیورسٹی ریسرچ میں اس کی اہمیت بھی بجا لیکن اگر کوئی قادیانی یہ کہے کہ ہم خَاتَمْ کی بجائے خَاتِمْ پڑھتے ہیں اور اس سے وہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت ثابت کرے تو کیا مَیں اس سے اس بحث میں پڑوں گا کہ خَاتَمْ کی بجائے خَاتِمْ ہونے کے کیا دلائل ہیں اور کیا قرائن ہیں تو کیا اس علمی بحث کی وجہ سے مَیں اس کے نبی ہونے کے امکان کو تسلیم کرلوں گا؟ ہرگز نہیں! نبی کریم ﷺ کا خَاتم النبیین ہونا میرے لیے قرآن وسنت کے واضح دلائل سے اور جمہور علماء اور جمہور امت کے تعامل سے ثابت ہے لہٰذا مَیں اس قادیانی سے اس بحث میں نہیں پڑوں گا۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا مولانا اشرف علی تھانویؒ، سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا مودودیؒ،

مولانا مفتی محمد شفیع ؒ اور مولانا یوسف بنوریؒ وغیرھم نے جو کتابیں لکھی ہیں وہ تحقیق کیے بغیر لکھی ہیں؟ ایسا نہیں ہے۔انہوں نے بھی تحقیق کی ہے لیکن وہ 'یونیورسٹی ریسرچ' کی طرح معروضیت کے جعلی رویے کی بھینٹ نہیں چڑھے بلکہ انہوں نے تحقیق و دلائل کے بعد جس چیز کو صحیح سمجھا اسے صحیح کہا اور جسے غلط سمجھا اس کی مذمت کی لہٰذا ہم اگر جاوید غامدی، عمار ناصر اور ان کے ہم خیالوں کو گمراہ کہتے ہیں تو اس کی وجہ غصہ، اشتعال، مناظرانہ سپرٹ اور فرقہ وارانہ اپروچ نہیں ہے بلکہ ہم تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان کا رویہ تجدد پر مبنی ہے وہ مغرب کے فکری غلام ہیں، اسلام کی تشریح مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کی روشنی میں کرتے ہیں۔ ان کی اپروچ مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے، وہ انہیں بھی مغربی اصول و اقدار کو اپنانا سکھا رہے ہیں لہٰذا وہ گمراہ ہیں اور لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور ہم علماء کرام کو توجہ دلا رہے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے فتنے سے بچائیں اور اسلامی سکالرز کو مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ انہیں صرف غلط نہ کہیں بلکہ انہیں گمراہ سمجھیں اور ان کی مذمت کریں۔

یہ گمراہی نئی نہیں

غامدی صاحب اور عمار ناصر کی گمراہی نئی نہیں، معتزلہ قدیم ہی کی طرح کی ہے۔ پھر برصغیر میں یہ بحثیں سر سید سے لے کر پرویز تک چلتی رہی ہیں او علماء ان کا جواب دیتے رہے ہیں۔ پرویز پر سارے مسالک کی طرف سے متفقہ طور پر کفر کا فتویٰ لگا تھا۔کیا مولانا سرفراز خاں صفدرؒ نے نہیں کہا تھا کہ عمار کو سمجھاؤ یہ کدھر جا رہا ہے۔کیا برسوں پہلے علماء کا وفد مولانا زاہد الراشدی صاحب کے پاس نہیں گیا تھا کہ آپ عمار کی حمایت سے باز آ جائیں؟ کیا مولانا تقی عثمانی صاحب نے عمار کو نہیں سمجھایا تھا کہ تمہارا رویہ غلط ہے؟

ڈاکٹر طاہر اسلام عسکری صاحب نے چند ہفتے ہوئے 'فکر اسلامی' واٹس ایپ گروپ بنایا ہے اور ہمارے اہل غوامد کو گمراہ کہنے پر وہ سیخ پا ہیں گویا کوئی نئی بات ہوگئی ہے اور عمار ناصر صاحب کو کہہ رہے ہیں کہ آپ وضاحت کریں۔حالانکہ اسی بحث میں ڈاکٹر حمزہ مدنی ابن حافظ عبد الرحمٰن مدنی نے کہا ہے کہ برسوں پیشتر جب ان کے علماء غامدی صاحب سے انکارِ سنت پر مناقشہ کر رہے تھے تو اس میں ڈاکٹر عسکری صاحب بھی شامل تھے۔

اس وقت تک بیسیوں کتابیں اور سیکڑوں مضامین غامدی اور عمار ناصر کی گمراہی کے خلاف لکھے جا چکے ہیں اور تقریریں کی جا چکی ہیں۔ ان میں سے کچھ اہم کی تفصیل یہ ہے:

فہرست کتب

ڈاکٹر محمد زبیر: فکر غامدی۔ ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ۔ اہل سنت کا تصورِ سنت۔ ابن عربی کا تصورِ ختم نبوت۔ مقالاتِ سنت و حدیث۔

ڈاکٹر محمد قاسم: غامدی نظریات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش: فتنۂ غامدیت کا علمی محاسبہ

ڈاکٹر شاہد فرہاد: سیکولرزم

مولانا پروفیسر محمد رفیق: جاوید غامدی اور انکارِ حدیث۔ غامدی مذہب کیا ہے؟۔ فتنہ غامدیت کا علمی محاسبہ۔

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد: عمار خان ناصر کا نیا اسلام اور اس کی سرکوبی۔ مقامِ عبرت

سید خالد جامعی: غامدیت، جدیدیت اور لبرل مسلم فکر کا ناقدانہ جائزہ

مولانا عبدالحق خان بشیر: غامدی سے اختلاف کیا ہے؟۔ آئینِ محمدی اور قانونِ غامدی

مولانا صلاح الدین یوسف: فتنہ غامدیت۔ ایک تحقیقی مطالعہ

مولانا محمد طفیل رضوی: فتنۂ غامدیت **یاسر رسول:** فتنہ غامدیت

مولانا غازی عزیر: انکارِ حدیث کا نیا روپ

ابو یحییٰ نور پوری: صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنۂ انکارِ حدیث

ڈاکٹر مولانا الیاس فیصل: جاوید غامدی کے افکار و نظریات۔ ثبوت حاضر ہیں

مفتی محمد وسیم اختر المدنی: غامدیت ایک منصفانہ جائزہ

مولانا عبدالوکیل ناصر: اصولِ اصلاحی و غامدی کا تحقیقی جائزہ۔ آئینۂ غامدیت

مفتی اسداللہ حیدر: فتنۂ غامدیت کا علمی ردّ

فہرست جرائد

ماہنامہ محدث، لاہور۔ ماہنامہ ساحل، کراچی۔ ماہنامہ البرہان، لاہور۔ ماہنامہ صفدر (دو جلدوں میں خصوصی نمبر)، لاہور۔

فہرست سوشل میڈیا

سید خالد جامعی۔ قیصر راجہ۔ مولانا ڈاکٹر الیاس فیصل

فہرست فتاویٰ دارالافتاء

جنہوں نے غامدی صاحب کی تکفیر کی: دارالعلوم دیوبند۔ جامعہ اشرفیہ لاہور۔ جامعہ مدنیہ لاہور۔

جنہوں نے غامدی صاحب کو گمراہ قرار دیا: جامعہ بنوریہ اسلامیہ، کراچی۔ دارالافتاء والتحقیق، لاہور۔ جامعہ خیر العلوم، خیر پور ٹامیوالی۔ جامعہ خلفاء الراشدین، احمد پور۔ جامعۃ الحمید، لاہور۔

تکفیر

یہاں یہ بات واضح رہے کہ مسلکی علماء کی باہم تفسیق وتضلیل وتکفیر میں بلاشبہ مبالغہ ہوتا ہے اور وہاں مطلوبہ متانت اور سنجیدگی مفقود ہوتی ہے۔ ہم علماء کی اس مسلک پرستی اور تکفیر کی عادت کے خاتمے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں (بذریعہ ملی مجلس شرعی) اور اس کے کچھ مثبت اثرات بھی نکلے ہیں لیکن یہاں مسلکی تکفیر اور غامدی صاحب کی تکفیر میں یہ فرق واضح رہے کہ اوّل الذکر تکفیر بین المسالک ہے جبکہ پرویز کی تکفیر پر سارے مسالک متفق تھے اور غامدی کی تکفیر بھی مختلف مسالک کے دارالافتاء نے شروع کی ہے اور اس کی گمراہی پر تو سارے مسالک کے علماء کرام متفق ہیں ہی۔

تعامل کا مسئلہ

اصل مسئلہ جاوید غامدی، عمار ناصر اور ان کے ہم خیالوں کی گمراہی کا تھا۔ اور اسی کا تقاضا ہم نے ڈاکٹر عسکری صاحب سے کیا تھا۔ ہماری بات تو انہیں ناگوار لگی لیکن جب ڈاکٹر حسن مدنی

صاحب اور ڈاکٹر سعد صدیقی صاحب نے بھی وہی بات کہی جو ہم کہہ رہے تھے تو وہ صرف اتنا مانے کہ ہاں! غامدی صاحب کا نظریۂ سنت جمہور اہل سنت سے مختلف ہے۔ غامدی اور عمار ناصر کو گمراہ ماننے پر وہ اب بھی تیار نہیں۔ بلکہ انھوں نے اور ان کے ہم خیالوں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اصل بات تعامل کی ہے اور اسلام حسنِ تعامل اور خوش خلقی کی تلقین کرتا ہے جبکہ ہمارے علماء باہم تفسیق و تکفیر کے عادی ہیں۔ لہٰذا حسنِ تعامل کا تقاضا ہے کہ ان کی دوستی عمار ناصر سے قائم رہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اہلِ بدعت اور گمراہوں سے دوستی نہیں کرنی چاہیے۔ یاد رہے کہ ہم بداخلاقی کی تلقین نہیں کر رہے وہ تو کفار سے بھی جائز نہیں۔

ہماری دانست میں گمراہوں سے دو ہی طرح کا تعامل ہوسکتا ہے۔ ایک یہ کہ بعض علماء وصلحاء ان کی اصلاح کرنا چاہیں۔ وہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھ سکتے ہیں تاکہ وہ انہیں سمجھا سکیں۔ جیسا کہ ہمارے علم میں ہے کہ احمد جاوید صاحب نے غامدی صاحب اور ان کے شاگردوں سے اس نوع کا رابطہ رکھا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ علماء کرام عامۃ المسلمین کو غامدی صاحب اور ان کے ہم خیالوں کی گمراہی سے بچانے کے لیے تگ و دو کریں۔ کئی علماء کرام اور اسلامی سکالرز یہ کام کر بھی رہے ہیں اور ہمارا تعلق بھی اسی قبیل سے ہے۔

خاتمۂ بحث

اس مضمون کے خاتمے سے پہلے ہم دہراتے ہیں کہ ہم اخلاص، دیانت داری اور پوری ذمہ داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ امت مسلمہ کے لیے آج مغربی تہذیب کا غلبہ اور اسلام اور مسلمانوں پر اس کا اثر انداز ہونا ہمارے عہد کا سب سے بڑا فتنہ ہے جو مسلمانوں کو دین سے دور کر رہا ہے اور انہیں زوال سے نکلنے نہیں دے رہا۔ اس نے مسلمانوں میں سے کچھ ایسے اسلامی سکالرز اور کچھ علماء ڈھونڈھ لیے ہیں، تیار کر لیے ہیں جو اسلام کی تشریح مغربی فکر و تہذیب کے اصول واقدار کے فروغ کے لیے کرتے ہیں۔ صحیح فکر رکھنے والے علماء کرام اور اسلامی سکالرز کی دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ان لوگوں کو سمجھائیں، اگر وہ نہ سدھریں تو ان کی مذمت کریں، مسلم عوام کو ان کے شر سے بچائیں کہ اسی میں مسلمانوں کی دنیا وآخرت کا بھلا ہے۔ ﴿اِنۡ اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ﴾

تفہیمِ دین ادارہ

کیا غامدی گمراہ نہیں؟

[جاوید غامدی اور عمار ناصر کی گمراہی پر ہمارے دو مضامین (البرہان جولائی و اگست ۲۰۲۱ء) کے جواب میں ملنے والے خطوط۔ مدیر]

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ (جماعت اسلامی)

مَیں آپ کی مکمل تائید کرتا ہوں

قیصر احمد راجہ (معروف اسلامی دانشور و مقرر)

آپ نے درست بات کہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس پر کافی قابل قدر کام کیا جا رہا ہے۔ مختلف پلیٹ فارمز اور مختلف اداروں سے Content پروڈیوس کیا جا رہا ہے، لکھا جا رہا ہے اور بہت حد تک یہ طبقہ بیک فٹ پر جا چکا ہے۔ لوگوں کو شعور ہو رہا ہے۔ آپ کے پاس کوئی بہتر تجویز ہو تو بتایئے، ہم کام کریں گے، ان شاء اللہ۔

ڈاکٹر الطاف حسین لنگڑیال (صدر تنظیم اساتذہ پاکستان و صدر شعبہ علوم اسلامیہ بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی، ملتان)

آپ نے جس معاملے کی طرف توجہ دلائی ہے وہ واقعی بہت اہم ہے۔ غامدی صاحب اور ان کی فکر کے حاملین اپنے لیے ''سیکولر علماء'' کی خود ساختہ اصطلاح وضع کیے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ان کے داعیہ اور عمل سے واضح ہے کہ وہ مسلماتِ اسلام پر مسلسل تیشہ آزمائی کر کے دشمنانِ اسلام کے مقاصد پورے کرتے نظر آتے ہیں۔ پہلے ہی انتشار و بدعملی کا شکار ملت اسلامیہ کو پراگندگی اور مغربیت کی اندھی غار میں دھکیلنے میں اپنا حصہ وافر ڈالنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں دے رہے۔ راست فکر علماء و اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ ملت کو ان کے اثرات بد سے محفوظ رکھنے میں اپنا کردار ادا کرتے رہیں۔

تفہیم دین
پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

غامدی صاحب کے ''جوابی بیانیے'' کی حقیقت

غامدی صاحب کے اسلامی ریاست کے تصور کو رڈ کرنے اور سیکولرزم کو مطابق اسلام ثابت کرنے کی کوشش کا جائزہ

[جنوری ۲۰۱۵ء میں جاوید غامدی صاحب نے 'اسلام اور ریاست - ایک جوابی بیانیہ' نامی مضمون روز نامہ جنگ میں لکھا جس کا جواب ہم نے البرہان کے فروری ۲۰۱۵ء کے شمارے میں دیا تھا اسے نئے عنوان سے قندِ مکرر کے طور پر دیا جارہا ہے۔مضمون میں حوالے غامدی صاحب کے ''جنگ'' والے مضمون کے ہیں۔مدیر]

اسلام، مسلمان اور پاکستان دشمن قوتوں نے ۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ء کو اپنے گماشتوں کے ذریعے پشاور میں آرمی سکول کے بچوں کو بہیمانہ طریقے سے ذبح کرنے کا اشتعال انگیز واقعہ کرا کر اپنے بہت سے مقاصد حاصل کر لیے۔ کمزور اور مصلحت پسند سیاسی حکومت پر فوج کی تازہ دم، امریکی حمایت پر کمر بستہ اور سیکولر لیڈر شپ کو حاوی کرا دیا۔ ملک کے سیکولر صحافیوں اور ادیبوں کو شہ ملی اور دینی قوتوں کو دیوار سے لگا دیا گیا۔ مدارس و مساجد پر چھاپے اور علماء کی پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی۔ اس طرح 'اسلامی انتہا پسندی' کے خلاف اور سیکولرازم (۱) کے حق میں ایک بڑی لہر اٹھا دینے کے بعد سیکولرزم کو مذہبی حمایت دلانے اور دینی قوتوں کے خلاف مذہب کے نام پر ایک مضبوط آواز اُٹھانے کے لیے حسبِ روایت جناب جاوید احمد غامدی سامنے آئے یا لائے گئے اور انہوں نے روز نامہ جنگ (۲) (شمارہ ۲۲ جنوری ۲۰۱۵ء) میں 'اسلام اور ریاست: ایک جوابی بیانیہ'' کے عنوان سے ایک مفصل مضمون لکھا اور اب جمہور علماء اور سکالرز ان کو جواب دینے میں لگے ہوئے ہیں تاکہ ان کے اٹھائے ہوئے مغالطوں کی حقیقت عوام وخواص کے سامنے لائی جاسکے۔

غامدی صاحب نے بہت سے نکات اٹھائے ہیں (اور یہ کوئی نئے نہیں ہیں، ماضی میں مصر کے علی عبدالرازق، عشماوی اور ایران کے آیۃ اللہ طالقانی وغیرہ اسی طرح کی باتیں کرتے رہے ہیں اور صحیح الفکر علماء ان کو جواب بھی دیتے رہے ہیں جو ریکارڈ پر ہیں۔ بقول اقبال ؎ اگر چہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات ومنات

اور مغرب کی الحادی فکر سے متاثر و مرعوب دانشور وہی پرانی باتیں نئے سرے سے اور نئے آہنگ میں اٹھاتے رہتے ہیں اور مغرب زدہ و مغرب گزیدہ (اور اس کا خریدا ہوا) میڈیا اس کو اچھالتا رہتا ہے اور صحیح الفکر لوگ اس کو رڈ کرتے رہتے ہیں۔ دلیل کی یہ بازی اہل مغرب اور ان کے لے پالک، باوجود مادی ذرائع کی کثرت اور اپنی طول لسانی اور وسیع پروپیگنڈا مشینری کے، وہ آج تک جیت نہیں سکے اور اسی لیے مغرب استدلال کی بازی ہار کر توپ وتفنگ کی زبان میں بات کرنے لگتا ہے کہ اس میں بہر حال اسے امت مسلمہ پر فوقیت حاصل ہے۔

آج کی نشست میں ایک تقابلی مطالعے کے ذریعے ہم مجملاً اپنے قارئین کو بتانا چاہتے ہیں کہ:

۱۔ غامدی صاحب کا نقطۂ نظر جمہور علماء و مسلمین کے موقف کے برعکس ہے۔ ۲۔ یہ مغربی فکر و تہذیب کے عین مطابق ہے۔ ۳۔ اور یہ کہ ان کے افکار عالیہ پر اگر عمل کیا جائے تو اس کے نتائج وہی نکلیں گے جو مغرب کی عین خواہش ہے کہ مسلمان معاشرے میں اسلام کی بجائے اس کے افکار اور اصول و اقدار غالب آجائیں۔

۱۔ سیکولرازم اگر چہ خود بھی ایک نظریہ ہے تاہم یہاں یہ ایک استعارہ ہے مغربی فکر و تہذیب کی نمائندگی کا اور اس میں ہیومنزم، کیپٹل ازم، لبرلزم، نیشنلزم وڈیموکریسی وغیرہ بھی شامل ہیں۔
۲۔ جس کی حبّ اسلام اور پاکستان اکثر لوگوں کی نظروں میں مشکوک ہے۔

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
۱۔ دہشت گردی کی ذمہ دار دینی جماعتیں اور دینی مدارس ہیں انتہا پسندی اور دہشت گردی دینی مدارس، دینی سیاسی جماعتوں، مذہبی اداروں اور تنظیموں کی آراء و تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ (تمہید)	انتہا پسندی اور دہشت گردی کی وجہ اہل مغرب کا مسلمانوں پر ظلم و ستم ہے۔ مسلمان حکمران چونکہ اس کا مقابلہ نہیں کرتے اور پر امن جدوجہد کرنے والی دینی اور سیاسی تنظیمیں اس ظلم و ستم کا توڑ کر نہیں سکتیں لہٰذا دینی حماس رکھنے والے کچھ جذباتی لوگ ردِ عمل کا شکار ہو کر اینٹ کا جواب پتھر سے دینے پر تُل گئے ہیں۔ جمہور علماء و مسلمین ان کی حمایت نہیں کرتے لیکن کھل کر ان کی مذمت بھی نہیں کرتے کیونکہ اس کا جواز تو بہر حال موجود ہے۔ اور خود مغرب بھی درون خانہ ان مجاہدین کی مدد کرتا ہے تا کہ اسے اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کو کچلنے کا موقع مل سکے۔	ہم مسلمانوں کو علم و تہذیب سکھا رہے ہیں۔ ہماری جمہوریت، نظام سرمایہ داری، آزادی...... وغیرہ بہترین تصورات و نظام ہیں۔ جو مسلمان ان کو قبول کریں اور نمازیں پڑھیں اور روزے رکھیں وہ بہت اچھے ہیں اور ان کا اسلام بھی اچھا ہے۔ جو مسلمان ہمارے اصول و اقدار کو ردّ کرتے اور اجتماعی زندگی (یعنی معاشرے اور ریاست) کو بھی اسلامی اصولوں پر چلانا چاہتے ہیں وہ قابل مذمت ہیں اور وہ انتہا پسند و دہشت گرد ہیں۔	دینی مدارس اگر مغربیت اور مغرب کے لیے قابل قبول اسلام قبول نہ کریں تو انہیں بند کر دیا جائے۔ دینی سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی جائے کیونکہ وہ نفاذ شریعت کی داعی ہیں۔ فرقہ واریت کے الزام میں علماء کو مساجد سے فارغ کر دیا جائے۔
۲۔ مذہب کا غلط تصور فساد کا سبب ہے مذہب فساد کا سبب بن چکا ہے لہٰذا	فساد کا سبب اسلام اور اسلام کے علمبردار جمہور علماء اور دینی عناصر اور ان کا تصور دین نہیں بلکہ خود مغرب اور اس کی اسلام و مسلم دشمن پالیسیاں ہیں۔ اور غامدی	جو لوگ اسلام کو نماز روزے تک محدود رکھتے ہیں وہ صحیح ہیں اور جو اسے سیاسی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے کی بات کرتے ہیں اور مغربی بالادستی کو رد	دینی عناصر اور علماء کو اور ان کی سرگرمیوں اور اداروں کو ختم کر دیا جائے، کیونکہ یہ دین کی اس تعبیر کو

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
فساد کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کا 'صحیح رُخ' پیش کیا جائے جو اس فساد کو ختم کردے اور اسلام کا صحیح رخ وہ ہے جو مَیں پیش کر رہا ہو۔ (تمہید)	صاحب دین کی جو تصویر پیش کر رہے ہیں وہ دین کی صحیح تصویر نہیں بلکہ غلط، تحریف شدہ اور مغرب زدہ تعبیر ہے۔	کرتے ہیں وہ فساد کی جڑ ہیں۔	قبول نہیں کرتے جو مغرب کی بالا دستی کو قبول کر لے اور ردِ عمل کا اظہار نہ کرے۔
۳۔اسلام فرد کو مخاطب کرتا ہے ریاست کو نہیں۔ ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا لہٰذا قرار داد مقاصد پاس کرنا اور یہ کہنا کہ پاکستان میں کوئی قانون خلاف اسلام نہیں بنایا جائے گا اس کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ایسا کرنا ایک قومی ریاست میں تفرقے کی بنیاد ڈالنا ہے (پہلا پوائنٹ)	اسلام انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں کے لیے تفصیل رہنمائی مرحمت فرماتا ہے۔ ریاست کے باشندوں کی اکثریت اگر مسلمان ہو تو ریاست کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانا تقاضائے عقل و منطق بھی ہے اور دینی لحاظ سے مسلمانوں کا فرض بھی اور یہی مغربی جمہوریت کا تقاضا بھی ہے۔ اسلامی تعلیمات پر عمل ریاست کے لیے استحکام کا سبب ہے نہ کہ تفرقے کا۔ پاکستان اسلام اور دوقومی نظریے کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا لہٰذا پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے نہ کہ مغربی معنوں میں ایک قومی ریاست۔	ریاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ جس نے مذہب پر عمل کرنا ہے وہ اپنی انفرادی زندگی میں کرے۔ اجتماعی زندگی کے ادارے اور ریاست کیسے کام کرے گی اس کا فیصلہ خود عوام کریں گے اور اپنی عقل اور سمجھ بوجھ سے فیصلے کریں گے۔ وحی اور مذہب کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے (سیکولرازم) ریاست وطن، زبان، نسل، رنگ وغیرہ کے اشتراک سے وجود میں آتی ہے نہ کہ کسی خاص نظریے یا مذہب کی بنیاد پر (نیشن سٹیٹ تھیوری)	پاکستان کے نام 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' میں سے لفظ اسلامی نکال دیا جائے۔ قرار داد مقاصد ختم کردی جائے اور پاکستان کے آئین میں جتنی دفعات اسلام کے حق میں ہیں (مثلاً یہ کہ کوئی قانون اسلام کے خلاف نہیں بنایا جائے گا) وہ نکال دی جائیں اور اسے ایک سیکولر آئین بنا دیا جائے۔

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
۴۔ اقلیتوں پر ظلم ریاست کو مذہب (اسلام) سے منسوب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اقلیتوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا دیا جائے۔ گویا ریاست کے اصل مالک تو مسلمان ہیں اور اقلیتیں ان کی محتاج ہیں کہ وہ جو حقوق چاہیں ان کو دیں (پہلا پوائنٹ)	اسلامی ریاست ایک نظریے کی بناء پر وجود میں آتی ہے اور اس کے انتظام و انصرام کا حق انہی کو ہے جو اس نظریے پر یقین رکھتے ہیں یعنی مسلمان۔ غیر مسلموں کو بحیثیت انسان مساوی حقوق حاصل ہیں لیکن ریاست کے انتظام و انصرام اور پالیسی بنانے میں وہ شریک نہیں ہوں گے البتہ وہ مسلم ریاست میں محفوظ و مامون ہوں گے (یعنی ذمی ہوں گے) اور اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے امن و سکون سے زندگی گزاریں گے۔	سارے انسان برابر ہیں اور مذہب کی بنیاد پر یا نیک و بد ہونے کی بنیاد پر یا مرد عورت ہونے کی بنیاد پر ان میں کوئی فرق روا رکھنا صحیح نہیں (ہیومنزم، لبرلزم) لیکن یہ صرف دکھانے کے دانت ہیں کھانے کے نہیں۔ عملاً امریکہ و یورپ میں مسلمانوں کو تو کجا مقامی کالوں کو بھی گوروں جتنے حقوق حاصل نہیں ہیں اور نہ عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق حاصل ہیں۔	غامدی صاحب پاکستان کے ۹۷٪ مسلمان شہریوں کو ان کا یہ بنیادی حق دینے کو تیار نہیں کہ وہ ریاست کو اپنے نظریے (اسلام) کے مطابق چلا سکیں لیکن ۳ فیصد غیر مسلم شہریوں کے حقوق کی انہیں بہت فکر ہے کہ وہ مسلمانوں کے برابر ہونے چاہئیں۔ ان کی رائے کے نتیجے میں پاکستان کا صدر یا وزیر اعظم کل کلاں کوئی ہندو یا عیسائی یا قادیانی بھی ہو سکتا ہے۔
۵۔ مسلمانوں میں اتحاد شرعاً مطلوب نہیں مسلمان ممالک کا اتحاد یا ایک عالمی اسلامی حکومت کا قیام کوئی	مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق اور اخوت و محبت کا تعلق اور مظاہرہ انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں میں ہونا چاہیے اور یہ قرآن و سنت کی تعلیمات کا تقاضا ہے۔ مسلمان خلافت راشدہ سے لے کر آج تک اس پر	کفر نے ہمیشہ متحد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جدوجہد کی (الکفر ملة واحدة) کیونکہ چھوٹی عقل والے بھی جانتے ہیں کہ اتحاد منبع قوت و طاقت ہے اور انتشار و اختلاف سببِ ضعف و کمزوری	غامدی صاحب کی رائے کا مطلب اور حاصل (بلاواسطہ) یہ ہے کہ مسلمان ممالک متحد نہ ہوں بلکہ وہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم رہیں اور ضعیف و ناتواں رہیں۔ دوسری طرف عالم کفر متحد

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر وتہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
شرعی تقاضا نہیں ہے ۔ مسلمان ممالک اگر اپنے طور پر متحد ہونا چاہیں تو وہ الگ بات ہے۔ (پوائنٹ ۲)	عمل کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ کبھی انہیں اس میں کامیابی ہوئی، کبھی نہیں ہوئی، کبھی تھوڑی ہوئی لیکن امت کا چودہ سوسالہ تعامل یہ ہے کہ وہ کبھی اتحاد کی اس آرزو سے اور اس کے لیے سعی وجہد سے محروم نہیں ہوئی۔	ہے۔ وہ صلیبی جنگوں میں بھی متحد تھے، مسلمان ممالک کو غلام بنانے اور بنائے رکھنے میں بھی متحد تھے اور یورپ و امریکہ آج بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحد ہیں۔ آپس میں بیسیوں اختلافات کے باوجود انہوں نے آج بھی یورپی یونین اور ناٹو بنایا ہوا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو انہوں نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور انہیں متحد بھی نہیں ہونے دیتے۔	ہے اور طاقتور ہے۔ نتیجہ یہ کہ مسلمان اہل مغرب کے زیردست اور مغلوب ہیں۔ بالکل یہی خواہش اور کوشش غدار اسلام و مسلمین غلام احمد قادیانی کی تھی جب اس نے انگریزوں کے مسلم ممالک فتح کرنے پر قادیان میں چراغاں کیا تھا اور خوشی کا اظہار کیا تھا۔
٦۔ خلافت کوئی دینی اصطلاح نہیں اور نہ عالمی سطح پر اس کا قیام اسلام کا کوئی حکم ہے جس کی خلاف ورزی سے مسلمان گناہ کے	اقتدار اور قوت کے لیے خلیفہ اور خلافت کا لفظ قرآن و سنت میں کئی بار استعمال ہوا ہے۔ خلافت راشدہ سے لے کر آج تک اپنے سیاسی نظام کے لیے مسلمان اسے بطور ایک اصطلاح کے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ مختلف اسباب اور دشواریوں کی بناء پر اس پر معیاری صورت میں بہت کم عمل کر سکے تاہم اس کی	اہل مغرب (یورپ و امریکہ) خود متحد ہیں لیکن ان کی دلی خواہش اور کوشش یہ ہے کہ مسلمان متحد نہ ہوں۔ اس کے لیے ان کی پوری کوشش یہ ہے کہ کسی مسلم ملک میں شریعت اور اسلامی نظام حیات نافذ نہ ہو۔ افغانستان پر حملے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی	خلافت کو دینی اصطلاح نہ کہنے اور ماننے کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان خلافت قائم کرنے کی کوشش ہی نہ کریں اور متحد نہ ہوں بلکہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم رہیں جیسا

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
مرتکب ہو رہے ہیں نیز اس معاملے میں سرے سے کوئی حکم قرآن و حدیث میں موجود ہی نہیں (پوائنٹ ۲)	آرزو اور اس پر عمل کی خواہش و دعوت سے وہ کبھی دست بردار نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ جب ترکی میں خلافت خود ترکوں نے مغربی فکر و تہذیب سے متاثر و مرعوب ہو کر ختم کردی تو مسلمانوں نے ہندوستان میں اس کے خلاف بحالیٔ خلافت کی تحریک چلائی اور مسلمان امت خاتمۂ خلافت کے بعد سے لے کر آج تک موتمر عالم اسلامی، رابطہ عالم اسلامی اور اسلامی کانفرنس تنظیم (OIC) کی صورت میں اس کا اظہار اور مطالبہ کرتی رہی ہے اور آج بھی کرتی ہے۔	کہ وہ مغربی دباؤ کو رد کر کے ٹھیٹھ اسلامی ریاست پر مصر تھا۔ مغرب اسی لیے خلافت کی علم بردار سیاسی جماعتوں کی بھرپور مخالفت کرتا ہے۔ اپنی زبردست پروپیگنڈا مشینری سے انہیں دہشت گرد اور ظالم قرار دیتا ہے اور خود ان میں مداخلت کار بھیج کر ان سے دہشت گردانہ کاروائیاں کراتا ہے تاکہ خلافت کا ادارہ بدنام ہو جائے اور اس کا مطالبہ زور نہ پکڑے۔	کہ مغرب نے انہیں تقسیم کر رکھا ہے تاکہ وہ کمزور و ناتواں رہیں اور اہل مغرب کے زیردست اور ان سے مغلوب رہیں۔ خلافت کا عدم قیام اور مسلمانوں کا عدم اتحاد انہیں کمزور رکھنے کا بہترین نسخہ ہے جو مغرب اور غامدی صاحب کو بہت پسند ہے۔
۷۔ مسئلہ قومیت مسلمانوں میں قومیت کی بنیاد اسلام نہیں اور یہ اسلام کا مطالبہ بھی نہیں کہ مسلمان اپنی قومی ریاستوں اور قومی شناخت سے دست بردار ہو کر ایک قوم اور	ساری دنیا کے مسلمان ایک امت اور ملت ہیں اور اسلام ہی مسلمانوں کے درمیان بنائے اتحاد ہے۔ مسلمان اپنے معاشرے میں اجتماعی زندگی کے جو چھوٹے دائرے رکھتے ہیں جیسے خاندان، برادری، قبیلہ وغیرہ، وہ امت اور ملت کے بڑے دائرے کے نقیض نہیں بلکہ اس کے تحت اور اس کے معاون ہوتے ہیں۔ لہٰذا	مغربی فکر و تہذیب میں قومیت کی بنیاد وطن، نسل، زبان اور رنگ کا اشتراک ہے۔ قومیت کے اسی غلط تصور نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں انہیں باہم لڑایا جس میں کروڑوں انسان مر گئے، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے اور گھر اور فصلیں اور ملکوں کے ملک اجاڑ دیئے گئے لیکن وہ پھر بھی اپنے نظریے نیشنلزم اور نیشن سٹیٹ (قومی ریاست) پر قائم	غامدی صاحب کے فلسفے کی رو سے اسلام مسلمانوں میں بنائے اتحاد نہیں ہے بلکہ وطن ہے اور ریاست اسلامی نہیں قومی ہونی چاہیے یعنی وطن، زبان، نسل اور رنگ کی بنیاد پر۔ مطلب یہ کہ مسلم ممالک اسی طرح

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
ریاست بن جائیں۔ مسلمان وطن کی بنیاد پر بھی ایک قوم بن کر رہ سکتے ہیں اور غیر مسلم ریاستوں میں شہری کی حیثیت سے بھی رہ سکتے ہیں۔ (پوائنٹ ۳)	مسلمان یا تو قوم کا لفظ امت اور ملت کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اگر قوم یا قومیت کے الفاظ وہ چھوٹے اجتماعی دائرے کے لیے استعمال کریں تو وہ امت اور ملت کے بڑے دائرے کے نقیض نہیں ہوتے بلکہ اس کے تحت ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں ریاست کی بنیاد ان کا نظریۂ حیات (اسلام) ہے اور مسلمان ممالک کی موجودہ تقسیم اور انہیں قومی ریاستوں میں تقسیم مغربی استعمار نے کیا ہے۔	ہیں۔ نیشنلزم اور نیشن سٹیٹ کے تصورات اس نے مسلمانوں میں پھیلا کر ان میں انتشار اور ضعف پیدا کیا اور ان کی چھوٹی چھوٹی ۵۷ ریاستیں بنا کر ان کی قوت کو کمزور کر دیا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ مسلمان متحد ہوں اور قوت پکڑیں لہٰذا وہ مسلم امت میں اتحاد کی تنظیموں کو بھی اپنے ایجنٹوں اور خفیہ اداروں کے ذریعے فعال کردار ادا کرنے نہیں دیتا۔	چھوٹی چھوٹی قومی ریاستوں میں بٹے رہیں اور متحدہ نہ ہوں تا کہ وہ طاقتور نہ ہو سکیں اور نہ مغرب کے دباؤ سے نکل سکیں بلکہ ہمیشہ مغرب کے زیر دست اور محکوم ہی رہیں۔
۸۔ تکفیر صرف خدا کا حق ہے علماء اور تمام مسلمان مل کر بھی کسی گناہ گار مسلمان کو، خواہ وہ کفر و شرک ہی کیوں نہ کرے، غیر مسلم اور کافر نہیں کہہ سکتے۔ یہ صرف خدا کا حق ہے۔	اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ مسلمان آپس میں متحد ہوں اور جڑیں نہ کہ ایک دوسرے سے کٹ جائیں۔ دوسروں کو دعوت دے کر اپنے قریب لایا جائے نہ کہ انہیں خود سے دور کیا جائے لیکن اگر کوئی شخص یا گروہ بظاہر اسلام کا اقرار کرنے کے بعد دین کے بنیادی امور کی	مغرب چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں فکری انتشار پھیلے اور مسلم معاشرہ اندر سے کمزور ہو جائے۔ اس کے لیے وہ مسلمانوں میں اپنے گماشتے پیدا کرتا ہے اور ان سے اپنی مرضی کے وہ کام لیتا ہے جن سے اسلام اور مسلمانوں کو زک پہنچے جیسے اس نے مسلم ہندوستان میں غلام احمد قادیانی کو کھڑا کیا جس نے نبوت کا دعویٰ	غامدی صاحب کی منطق کی رو سے مسلمان علماء اور ریاست پاکستان کی پارلیمنٹ کو قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا حق نہیں۔ یہی موقف اہل مغرب کا ہے کہ ایسا کرنا غلط ہے اور یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور وہ قادیانیوں کی بھرپور حمایت اور

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
علماء کا حق ہے کہ ان کی غلطی ان پر واضح کریں اور انہیں صحیح بات کے قبول کرنے کی دعوت دیں لیکن وہ انہیں کافر قرار نہیں دے سکتے (پوائنٹ ۴)	مخالفت پر اصرار کرے اور کفار کی اعانت اور شہ پر کرے جس سے مسلم معاشرہ کمزور اور کھوکھلا ہو اور کفا کو مدد ملے تو علماء کرام کا فرض ہے کہ وہ ایسے گروہ کی گمراہی عامۃ الناس پر واضح کریں اور مسلم ریاست بھی انہیں غیر مسلم قرار دے سکتی ہے جیسا کہ قادیانیوں کے معاملے میں ہوا۔ سنت کا انکار کرنے والے پرویزیوں، بہائیوں اور دوسرے گمراہ فرقوں کی غلطیوں سے بھی علماء کرام اور ریاست کو عامۃ الناس کو آگاہ کرتے رہنا چاہیے۔	کیا، جہاد کا انکار کیا اور مسلمانانِ ہند کو انگریز کی غلامی پر قانع رہنے پر اُکسایا۔ مغرب کے گماشتہ پرویز مشرف نے ہی غامدی صاحب کو بھی پروموٹ کیا اور آج بھی بالادست سیکولر طبقے اور مغرب کا غلام میڈیا ہی ان کے افکار کو اچھال رہا ہے کیونکہ اس سے مغرب کے مقاصد پورے ہوتے ہیں۔	ان کی دامے درمے سخنے ہر طرح مدد کرتا ہے۔ غامدی صاحب بھی مغرب کی تائید میں قادیانیوں کی حمایت کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی شرعی دلیل کے بہانے اور خود اپنے لیے بھی کھلی چھٹی چاہتے ہیں کہ اسلام کا نام لے کر وہ جو چاہیں کہتے رہیں اور کوئی ان کی تکفیر نہ کرے۔
۹۔ مسلمان کا ترکِ اسلام اور کفر گوارا ہونا چاہیے شرک، کفر اور ارتداد اگرچہ گناہ ہیں لیکن ان کی سزا مسلمان علماء، عدالتیں اور حکومت نہیں دے سکتی بلکہ یہ صرف خدا کا حق ہے (پوائنٹ	علماء کو دعوت و اصلاح سے مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کرنی چاہیے اور منکرات کی مذمت کرتے ہوئے ان سے روکنا چاہیے۔ عدالتیں شرک کفر اور ارتداد کے بارے میں فیصلے دے سکتی ہیں اور اسلامی حکومت ان احکام پر عمل درآمد کی پابند ہے۔	قرآن و سنت بھی یہی بتاتے ہیں اور ہر مسلمان کا آج کل مشاہدہ بھی یہی ہے کہ مغرب اپنی پوری قوت سے مسلمانوں کو بے دین بنانا چاہتا اور انہیں دین سے دور کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ تعلیم، میڈیا، ثقافت غرض ہر حربہ استعمال کرتا ہے اور اپنے لبرلزم یعنی بے قید آزادی اور فحاشی، عریانی...... پھیلا کر انہیں اخلاقی طور پر تباہ کر رہا ہے۔	غامدی صاحب کی تجاویز کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں میں سیکولرزم اور لبرلزم پھیلے، منکرات اور بدعقیدگی کو کھلی چھوٹ ملے، عوام کے اخلاق تباہ ہوں اور گمراہ فرقوں کو کھلی چھوٹ ملے کہ وہ لوگوں کے عقیدے خراب کریں۔

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
۵) ۱۰۔ تصور جہاد جہاد دراصل فتنہ کے استیصال کے لیے ہے جس کے معنی ہیں کسی شخص کو ظلم و جبر کے ساتھ اس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرنا۔ اس سے مطلوب ہے ظلم و عدوان کے خلاف جنگ۔ مسلمانوں کو یہ حکم ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں بلکہ بحیثیت جماعت دیا گیا ہے۔ اس سے متعلق جو آیتیں قرآن میں آئی ہیں وہ اپنی انفرادی حیثیت میں ان کے مخاطب	جہاد کا مطلب ہے اعلاء کلمۃ اللہ پُرامن ذرائع سے اور اگر ناگزیر ہو تو قوت سے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک اقدامی اور دوسرا دفاعی۔ دفاعی کا مطلب ہے کہ اگر کفار اسلام اور مسلمانوں کو کچلنے کے لیے کسی مسلمان ملک پر حملہ کر دیں تو اس کا دفاع کیا جائے۔ اقدامی کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں طاقت ہو تو وہ ان حکومتوں کا زور توڑ دیں جو اپنے عوام کے فہم اسلام میں مانع ہوں۔ اگر کفار کسی مسلم ملک پر حملہ کر کے وہاں اپنی گماشتہ حکومت قائم کر دیں تو کیا مسلمان عوام کو کفار کے خلاف جہاد کرنا چاہیے اور اس گماشتہ حکومت کی مسلح مزاحمت کرنی چاہیے؟ علماء کرام کا اکثریتی موقف یہ ہے کہ اس کی اجازت ہے۔ تاہم بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جہاد ہر حال میں صرف ریاست ہی کو کرنا چاہیے۔	مغرب اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے۔ اس نے ماضی میں مسلمانوں کو تباہ کیا، لُوٹا، غلام بنایا اور اب بھی انہیں مغلوب اور زیردست رکھنا چاہتا ہے اور ان کے معاشروں میں اپنی ملحدانہ فکر اور تہذیب پھیلانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اس نے ہر پُرامن طریقہ آزمایا اور اس میں بڑی حد تک کامیاب رہا۔ لیکن اس کے باوجود بعض مسلمان ملک ترقی کرنے لگے اور مستحکم ہو گئے تو اس نے بھنّا کر ان پر حملہ کر کے ان کو تباہ کر دیا اور باقی کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پاکستان پر بھی دباؤ جاری ہے اور اس کے خلاف سازشیں کی جاری ہیں۔ پاکستان کو توڑنا اور اس کی ایٹمی حیثیت ختم کرنا مغرب کا ہدف ہے۔ یہ باتیں ہر ایک کو نظر آ رہی ہیں سوائے ان کے جو عقل کے اندھے ہیں یا جن کی آنکھوں پر مغربی فکر	غامدی صاحب کے نظریہ جہاد کا مطلب یہ ہے کہ مذہبِ گوسفنداں اختیار کیا جائے۔ مغرب کے خلاف کھڑا ہونے کی ''حماقت'' نہ کی جائے اور اس کی مسلح مزاحمت نہ کی جائے بلکہ اس کے تہذیبی، فکری، سیاسی، ثقافتی ...... غلبے کو قبول کر لیا جائے اور اسلام کی تعبیر و تشریح ایسے کی جائے کہ مغرب کی فکر اسلام کے عین مطابق لگے۔ وہ مسلمانوں کو مغرب سے مرعوبیت سکھاتے اور اس کی پیروی کا درس دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان میں خوئے غلامی مستحکم ہو جائے۔ ترکِ جہاد اور مغرب کی بالادستی قبول کرنے کے

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
ہی نہیں ہیں۔ لہٰذا اس معاملے میں کسی اقدام کا حق بھی ان کے نظم اجتماعی کو حاصل ہے۔ (پوائنٹ ۶)	کفار یعنی امریکہ و یورپ اپنے حمایتیوں (بھارت، اسرائیل ......وغیرہ) کے ساتھ عراق اور افغانستان پر حملہ آور ہوئے، لیبیا کو تباہ کر چکے ہیں، شام اور پاکستان پر حملہ آور ہیں اور فلسطین، کشمیر، چیچنیا......وغیرہ پر مظالم ڈھا رہے ہیں کچھ مسلمان ان کی مسلح مزاحمت کر رہے ہیں اور علماء و عوام کی اکثریت ان مزاحمت کرنے والوں سے ہمدردی رکھتی ہے۔	وتہذیب سے مرعوبیت کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔	بارے میں ان کا نقطۂ نظر وہی ہے جو ماضی میں غلام احمد قادیانی کا تھا اور آج کل مولانا وحید الدین خان کا ہے۔
۱۱۔ عورتوں اور بچوں کا قتل منع اسلام جس جہاد کا حکم دیتا ہے وہ خدا کی راہ میں جنگ ہے اس لیے اخلاقی حدود سے بے پروا ہو کر نہیں کیا جاسکتا لہٰذا جنگ میں بچوں، عورتوں اور قیدیوں کو قتل نہیں کرنا چاہیے۔ (پوائنٹ ۷)	قرآن وسنت کی تعلیمات یہی ہیں کہ جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ قرآن کی رو سے اگر حالات کا تقاضا ہو تو قیدیوں کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ کفار مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے ہیں جیسا کہ انہوں نے گوانتاناموبے اور ابوغریب جیل میں کیا جس پر ساری مہذب دنیا چیخ اٹھی۔ اور وہ فضائی رڈرون حملے کر کے بے گناہ بچوں اور عورتوں کو بے دریغ قتل کرتے ہیں لہٰذا ردعمل کے طور پر اور جوش انتقام میں	اہل مغرب اپنی جان کو بہت عزیز جانتے ہیں لیکن مسلمانوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ وہ مجاہدین ہی نہیں ان کے بچوں اور عورتوں کو ڈیزی کٹر اور نیپام بموں اور نیم ایٹمی اسلحے سے کچلنے میں، آگ میں جلانے سے، آکسیجن ختم کر کے دم گھونٹنے سے اور بغیر پائلٹ کے ڈرون طیاروں سے میزائل فائر کر کے بے دریغ قتل کرتے ہیں۔ پاکستان میں ڈمہ ڈولا میں انہوں نے	غامدی صاحب ان کفار کی مذمت نہیں کرتے جو مسلمان بچوں اور عورتوں کو بے دریغ قتل کرتے ہیں لیکن ان کے اس ظلم و ستم کی مزاحمت کرنے والے مسلمان (جن میں اہل مغرب کے بعض ایجنٹ اور مداخلت کار بھی شامل ہو گئے ہیں) اگر بچوں اور عورتوں کو قتل کر بیٹھیں تو غامدی صاحب کو شریعت کے اصول یاد آجاتے

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
	بعض جذباتی مسلمان بھی ان کے بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیتے ہیں عام مسلمان اور علماء اس کو جائز نہیں سمجھتے لیکن اس کا جواز تو سمجھ میں آتا ہے۔	مدرسہ کے ۸۰ بچوں کو قتل کر دیا، پشاور میں ۱۴۰ بچوں کو قتل کرا دیا اور قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں سے بہت سے بچوں اور عورتوں کو قتل کیا۔	ہیں اور وہ اس بہیمانہ دہشت گردی کی پرزور مذمت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔
۱۲۔ علماء کی آمریت آمریت ناقابل قبول ہے خواہ دینی امور میں علماء کی ہو یا سیاست میں کسی خاندان، طبقے، گروہ یا قومی ادارے کی۔ (پوائنٹ ۸)	اجتہادی امور یا تعبیر دین میں اسلاف اور علماء و مجتہدین کے اجماع کو قبول کرنا حکم شرعی ہے۔ اسے علماء کی آمریت قرار دینا زیادتی ہے۔ چودہ سو سالہ علمی روایت کو رد کر کے صرف اپنی رائے پر اصرار کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟	اہل مغرب کی خواہش ہے کہ مسلمان متحد و منظم نہ ہوں۔ ان میں فکری انتشار کو ہوا دینا ان کا پسندیدہ ترین عمل ہے تاکہ یکسو اور صاحبِ کردار مسلم شخصیت وجود میں نہ آ سکے اور ان کی تہذیبی بالادستی اور فکری استبداد کو ردّ کرنے والا کوئی نہ ہو۔	غامدی صاحب کی خواہش یہ لگتی ہے کہ اس وقت مسلم معاشرے میں علماء کرام کو جو احترام و رسوخ حاصل ہے وہ ختم ہو جائے اور علماء کی ہوا خیزی کے ذریعے دین کی ہوا خیزی ہو اور لوگ مغربی فکر و تہذیب اور مغرب زدہ مسلم سکالروں کی آراء کو بآسانی قبول کرنے لگیں۔
۱۳۔ پارلیمنٹ کی بالادستی جدید ریاست کے نظام میں آخری فیصلہ پارلیمنٹ کا ہوتا ہے اور کسی کو اس کے فیصلوں کی خلاف	ایک اسلامی ریاست میں، خواہ وہ قدیم ہو یا جدید، بالادستی شریعت کی ہوتی ہے یعنی قرآن وسنت کی اور اللہ کے قانون کی۔ مجلس شوریٰ میں اگر مسلمانوں کے نمائندے متقی ہوں اور مجتہدین پر مشتمل ہوں تو وہ اہم تر ہے اور اگر وہ دین کے	مغرب میں ہیومنزم کی رو سے فرد بالادست ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے مقابلے میں بھی خود مختار بلکہ مختار مطلق ہوتا ہے۔ لہٰذا فرد یعنی افراد کے نمائندے جس ادارے میں ہوں گے وہ بھی بالاتر ہوگا۔	غامدی صاحب ایک اسلامی مملکت کے بارے میں فیصلے اسلامی شریعت کی بجائے مغربی تہذیب کے اصولوں (ہیومنزم) اور وہاں کی سرمایہ

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر وتہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
ورزی اور ان سے بغاوت کا حق نہیں ہوتا خواہ وہ علما ہوں یا عدلیہ کہ پارلیمان سے بالاتر کوئی نہیں ہوتا۔(پوائنٹ ۸)	علم اور اخلاق سے عاری ہوں تو ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ انتظامیہ بھی اگر خدا کا خوف رکھنے والی ہو اور قانون شریعت پر عامل ہو تو اہم ترہے۔ انتظامیہ اور مقننہ دونوں کے فیصلے عدلیہ میں چیلنج کیے جاسکتے ہیں لہٰذا عدلیہ کا کردار اہم ترین ہے بشرطیکہ اس کے قاضی متقی ہوں اور فیصلے قرآن وسنت کے مطابق کریں۔مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کے درمیان تقسیم اختیارات ایک امر اجتہادی ہے جس میں تغیر وتبدل ممکن ہے۔	ریاست کا آئین بھی عوام کے نمائندے بنائیں گے لہٰذا عدالت بھی اسی آئین کے تحت فیصلے دے گی اور انتظامیہ کا تقرر بھی عوام کے منتخب نمائندے کریں گے اور وہ پارلیمنٹ کو جواب دہ ہوں گے لہٰذا ہیومنزم کی تعلیمات کے مطابق ایک جدید مغربی ریاست میں پارلیمنٹ، عدلیہ اور انتظامیہ دونوں سے اہم تر ہوتی ہے۔	دارانہ اور لادین جمہوریت کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور ایک اسلامی ریاست میں بھی (جہاں شریعت بالادست ہوتی ہے) مغربی جمہوریت کے اصولوں کے مطابق پارلیمنٹ کو بالاتر قرار دیتے ہیں کیونکہ وہاں عوام کے نمائندے بیٹھے ہوتے ہیں خوہ وہ دینی علم اور اخلاق دونوں لحاظ سے کورے ہوں۔
۱۴۔قیام حکومت اور انتقال اقتدار حکومت صرف اسی وقت جائز ہوگی جب وہ پارلیمنٹ کے ذریعے آئے اور اس کے بغیر ناجائز ہوگی خواہ اس کے سربراہ کی	حکومت شوریٰ یا اہل الحل والعقد (جو لوگوں کے نمائندوں اور علماء ومجتہدین پر مشتمل ہو) اور عامۃ المسلمین کے مشورے سے وجود میں آئے گی تو جائز ہوگی۔اگر کسی دوسرے طریقے سے اور زور زبردستی سے آئے گی تو مجبوراً اس کی اطاعت کی جائے گی۔قرآن وسنت کی رو سے دنیا	مغربی جمہوریت میں ہیومنزم کے اصولوں کے مطابق چونکہ فرد مقدس اور بالادست ہوتا ہے لہٰذا مغربی ریاست میں بالادستی عوام کے نمائندوں کو حاصل ہوتی ہے اور عوامی نمائندے ہی براہ راست یا پارلیمنٹ کے ذریعے حکمران چنتے ہیں۔ مغرب میں پارلیمنٹ	غامدی صاحب اسلام کے سیاسی نظام کے لیے بھی مغرب کی ملحدانہ فکر وتہذیب کے اصولوں اور مغربی جمہوریت کو ہی معیار اور ماڈل سمجھتے ہیں اور اسی کی پیروی پر اصرار کرتے اور اسے ہی واحد حل سمجھتے ہیں جس میں گدھے گھوڑے

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
پیشانی پر سجدوں کے نشان ہوں اور خواہ اسے امیر المومنین کہا جاتا ہو۔ (پوائنٹ ۸)	و آخرت دونوں میں متقین کا درجہ عامۃ المسلمین سے بڑا ہے گو بحیثیت مسلمان سب کے حقوق مساوی ہوتے ہیں۔	ریاست کے دیگر اداروں پر بالادست ہوتی ہے اور اسے بلاشرط و حدود آئین و قانون سازی اور حلال و حرام کے تعین کا اختیار ہوتا ہے۔	اور متقی و بدمعاش اور علماء و جہلا سب برابر ہوتے ہیں۔ بقول اقبال ؎ جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے
۱۵۔ حکومت کو نفاذِ شریعت کا حق نہیں خصوصاً ایجابی امور میں سوائے نماز اور زکوٰۃ کے الّا یہ کہ کسی کی حق تلفی یا جان و مال و آبرو کے خلاف زیادتی کا اندیشہ ہو۔ (پوائنٹ ۹)	ایک اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں شرعی احکام پر عمل کرے اور کرائے ورنہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ بات قرآن و سنت میں بارہا کہی گئی ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ریاست کا بنیادی فریضہ ہے خواہ وہ دعوت و تبلیغ کے ذریعے ہو یا قانون کی قوت کے ذریعے۔	مغرب کی پالیسی یہ ہے کہ ریاست فرد کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کرتی۔ وہ اسے انفرادی حیثیت میں مذہبی مراسم ادا کرنے کی تو اجازت دیتی ہے لیکن مذہب کو ریاست کے امور میں مداخلت کی اجازت نہیں دیتی۔ دوسرے لفظوں میں ریاست مذہبی امور میں مداخلت نہیں کرتی اور نہ مذہبی تعلیمات پر عمل کرتی اور کراتی ہے یہی ان کا سیکولرزم ہے۔	غامدی صاحب مغربی سیکولرزم کے تحت چاہتے ہیں کہ مسلم ریاست بھی مذہبی امور میں مداخلت نہ کرے اور مذہبی قوانین پر نہ خود عمل کرے اور نہ کرائے۔ اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام میں تو دین و دنیا کی تفریق ہی نہیں اور اسلام زندگی کے سارے مسائل کا حل بتاتا ہے اور مکمل اطاعت چاہتا ہے نہ کہ جزوی۔

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
۱۶۔ مسلم حاکم کو عوام پر نفاذ شریعت کا حق نہیں۔ قرآن کی رو سے حکمران پابند ہے کہ وہ عوام کی راہ چھوڑ دے اور کوئی چیز ان پر نافذ کرنے کی کوشش نہ کرے۔(پوائنٹ ۹)	اصل بات یہ ہے کہ سورۂ توبہ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اسلام کے معاند کفار کو کچل دیں تاہم اگر وہ توبہ کر لیں، ایمان لے آئیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر انہیں قتل نہ کریں بلکہ انہیں چھوڑ دیں۔ اس آیت کی تشریح غامدی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مسلم حاکم کو عامۃ الناس پر نفاذ شریعت کا حق ہی نہیں سبحان اللہ!	مغربی سیکولرزم کا اصول یہ ہے کہ ریاست الگ ہے اور مذہب الگ۔ ریاست کو مذہبی امور میں مداخلت کرنی چاہیے اور نہ مذہب کو ریاستی امور میں۔ ریاستی اور مذہبی امور کی علیحدگی کا تصور ہی سیکولرزم کا بنیادی تصور ہے۔	غامدی صاحب آیت کا غلط مطلب لے رہے ہیں اور اس کی غلط تشریح کر رہے ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر جمہور علماء و مسلمین کے خلاف ہے۔ وہ ایسا اس لیے کر رہے ہیں تاکہ سیکولرزم کا مغربی اصول قرآن سے ثابت کر سکیں۔
۱۷۔ نماز جمعہ اور عیدین پڑھانا صرف حکمرانوں کا حق ہے۔ نماز جمعہ اور نماز عیدین کا اہتمام حکومت کرے گی۔ ان کا منبر حکمرانوں کے لیے خاص ہوگا۔ ریاست کی حدود میں کوئی شخص اپنے طور پر ان نمازوں کا اہتمام	اسلام میں چونکہ دین و دنیا میں کوئی تفریق نہیں لہٰذا سیاست کا امام نماز کا امام بھی ہوتا ہے اور ہونا چاہیے تاہم حکمران اگر اس کے اہل نہ ہوں تو مسلمان اہل علم یہ مراسم عبودیت ادا کر سکتے ہیں اور قرآن و سنت نے کہیں یہ حکم نہیں دیا کہ ان نمازوں کا اہتمام صرف ریاست کا حکمران ہی کر سکتا ہے اور کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔	ریاست اور مذہب کا دائرۂ کار ایک دوسرے سے الگ ہے۔	اگر غامدی صاحب کی تعبیر شریعت مان لی جائے تو جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہمارے معاشرے سے ختم ہو جائیں گی کیونکہ ہمارے حکمران وہ ہیں جن میں سے ایک نے کہا کہ قرآن کے چالیس پارے ہوتے ہیں اور دوسرے صاحب سورہ اخلاص نہ سنا سکے۔ بعض صاحبان علانیہ شراب نوشی کرتے اور دوسرے معائب کے لیے

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماءو مسلمین کی رائے	مغربی فکر وتہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
نہیں کرسکتا۔(پوائنٹ ۹)			بدنام ہیں۔غامدی صاحب ان لوگوں کو امام بنا کر لوگوں کی نمازیں خراب کرانا چاہتے ہیں۔
۱۸۔ نہی عن المنکر کی تعریف منکرات وہ ہیں جنہیں انسان ہمیشہ سے برائی سمجھتا رہا ہے۔ نہی عن المنکر صرف ریاست کا کام ہے(پوائنٹ ۹)	یہ معتزلہ کا نظریہ ہے کہ خیر وشر اور حسن وقبح کا ادراک عقل انسانی کرتی ہے۔جمہور کی رائے یہ ہے کہ حسن وقبح کا تعین دین/وحی کرتی ہے۔معروف ومنکر کا تعین بھی وحی سے ہوتا ہے۔تاہم معروف ومنکر عموماً ایسے امور ہوتے ہیں جنہیں عقل عام بھی عموماً معروف ومنکر ہی سمجھتی ہے۔	مغربی فکر وتہذیب میں معروف ومنکر اور خیر وشر کا تعین انسان اپنی عقل وخواہش سے خود کرتا ہے۔ اسے خدا، مذہب، وحی کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں چنانچہ مغربی پارلیمان شراب، جوئے، زنا، ہم جنس شادیوں کو جائز اور قانونی قرار دے چکے ہیں۔	یہاں بھی غامدی صاحب مغربی فکروتہذیب کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں کہ دینی امور کی رہبر بھی عقل ہی ہے اور اسے وحی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں۔
۱۹۔حکومت سزائے موت نہیں دے سکتی حکومت جرم ثابت ہونے پر مجرموں کو سزا دے سکتی ہے لیکن قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی	جمہور علماء کی رائے میں قرآن وسنت کی رو سے قصاص اور حرابہ کے علاوہ زانی محصن، مرتد اور مرتکب توہین رسالت کی سزا بھی موت ہے۔تعزیراً بھی، شدید حالات میں، مسلم عدلیہ وریاست مجرم کو موت کی سزا دے سکتی ہے۔	جرائم اور ان کی سزا میں مغرب کا فلسفہ یہ ہے کہ اجتماع کے مقابلے میں فرد اہم تر ہے (اور یہ ہیومنزم کی دین ہے) لہٰذا فرد اگر معاشرے یا ریاست کے خلاف جرائم کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے موت کی سزا نہیں دی جاسکتی بلکہ کچھ عرصہ کے لیے قید کی سزا ہی دی جاسکتی ہے۔آج کل مغرب کے اکثر ممالک نے سزائے موت موقوف کر	مغربی فکر وتہذیب کی حمایت میں غامدی صاحب صریح احکام شرع کا انکار کرنے میں بھی مضائقہ نہیں سمجھتے اور یہ فرما رہے ہیں کہ دو امور کے سوا اسلامی ریاست کسی کو موت کی سزا

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
جرم میں موت کی سزا نہیں دے سکتی (پوائنٹ ۹)	جیسے حضرت علیؓ نے ان سے الوہیت منسوب کرنے والوں کو زندہ جلانے کا حکم دیا تھا۔	رکھی ہے اس کے باوجود کہ وہاں زنا و قتل جیسے بڑے جرائم کی کثرت ہے اور مسلمان ممالک پر بھی وہ دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ بھی سزائے موت موقوف کر دیں۔	دے ہی نہیں سکتی۔ کیوں نہیں دے سکتی؟ اس لیے کہ مغرب یہ کہتا ہے کہ سزائے موت دینا غلط ہے۔
۲۰۔ سزا میں عدم مساوات حکومت سزا دے گی بشرطیکہ مجرم اپنے ذاتی، خاندانی اور معاشرتی حالات کے لحاظ سے کسی رعایت کا مستحق نہ ہو۔ (پوائنٹ ۹)	احکام شریعت کا نفاذ سب پر یکساں طریقے سے ہوتا ہے خواہ کوئی غریب ہو یا امیر، خاندانی ہو یا معمولی آدمی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ قرشیہ کی سزا کے حوالے سے فرمایا تھا کہ اگر میری بیٹی بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔	اہل مغرب کے لینے کے باٹ اور ہیں دینے کے اور۔ مسلمانوں کو غلام بنا کر انہوں نے ان پر ہر ظلم روا رکھا اور آج بھی مسلمان ان کے نزدیک کسی عدل و انصاف کے مستحق نہیں ہیں۔ گوانتانا موبے، ابوغریب جیل، عافیہ صدیقی وغیرہ اس کے جیتے جاگتے ثبوت ہیں۔	غامدی صاحب کو اسلام کے نظام عدل کی تعریف کرنی چاہیے تھی اور کسی استثنائی معاملے کو قانون شریعت کے یکساں نفاذ میں آڑ نہیں بنانا چاہیے تھا
۲۱۔ عدم نفاذِ شریعت کا گناہ جو لوگ اللہ کے قانون کے مطابق	جو لوگ اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے وہ آخرت میں ہی نہیں اس دنیا میں بھی ظالم، فاسق اور کافر	مغرب کسی خدائی قانون کو سرے سے مانتا ہی نہیں۔ ان کے ہاں قانون انسان خود اپنی مرضی سے اپنے	غامدی صاحب کی 'ذہانت' کی داد دینی چاہیے کہ وہ قرآن کی ہر آیت کی تشریح

غامدی صاحب کی رائے	جمہور علماء و مسلمین کی رائے	مغربی فکر و تہذیب کا موقف	غامدی صاحب کی رائے کا نتیجہ
فیصلے نہ کریں قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور میں ظالم، فاسق اور کافر قرار پائیں گے (پوائنٹ ۱۰)	شمار ہوں گے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفر بواح کی صورت میں مسلم حکمرانوں کے خلاف مسلح مزاحمت کی اجازت دی ہے۔	نفع نقصان کے لیے بناتا ہے۔ اس میں خدا، مذہب اور وحی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔	اس طرح کر سکتے ہیں جس سے سیکولرزم و ہیومنزم کا اثبات ہوتا ہو خواہ اس آیت کا مفہوم قرآن وسنت کی دیگر نصوص کے صریحاً خلاف ہو اور آج تک کسی مسلم عالم نے اس کی وہ تشریح نہ کی ہو۔
۲۲۔ علماء کا کام۔ صرف انذار حکمران شریعت پر عمل نہ کریں تو علماء پر انذار کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔ وہ داروغے نہیں بنائے گئے کہ اپنے پیروکاروں کے جتھے منظم کر کے بندوق کے زور پر انہیں شریعت کا پابند بنانے کی کوشش کریں۔ (پوائنٹ ۱۰)	اگر حکمران شریعت نافذ نہ کریں تو دعوت و تبلیغ کے علاوہ علماء اور مسلم عوام ان پر دباؤ ڈالنے کے سارے پُرامن ذرائع استعمال کر سکتے ہیں اور انتہائی غیر معمولی حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف خروج یعنی مسلح مزاحمت کی اجازت بھی دی ہے۔	اگر حکومت آئین و قانون پر عمل نہ کرے تو مغربی جمہوریت اپوزیشن کو منظم احتجاج اور دباؤ کے لیے ہر قانونی و پرامن حربہ استعمال کرنے کی اجازت دیتی ہے جس میں جلسے، جلوس، دھرنے یہاں تک کہ سول نافرمانی بھی کی جا سکتی ہے۔	غامدی صاحب کی 'ذہانت' کی داد دینی چاہیے کہ وہ قرآن کی ہر آیت کی تشریح اس طرح کر سکتے ہیں جس سے سیکولرزم و ہیومنزم کا اثبات ہوتا ہو خواہ اس آیت کا مفہوم قرآن وسنت کی نصوص کے صریحاً خلاف ہو اور آج تک کسی مسلم عالم نے اس کی وہ تشریح نہ کی ہو۔ غامدی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان میں دینی سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے جو حکومت پر دباؤ ڈالتی ہیں کہ وہ ملک میں شریعت نافذ کریں۔

قارئین کرام: سطور بالا کے تقابلی مطالعے سے دو باتیں نمایاں ہو کر سامنے آ گئیں:

ایک: یہ کہ اسلام اور ریاست کے حوالے سے غامدی صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ جمہور علماء اور جمہور امت کے ماضی اور حال میں اختیار کردہ موقف کے خلاف ہے۔ مغربی استیلاء سے پہلے مسلم تاریخ کے بارہ سو سال میں کبھی کسی مسلم عالم، مفسر، محدث اور فقیہ نے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی وہ تشریح نہیں کی جو غامدی صاحب فرما رہے ہیں۔

دوم: یہ کہ وہ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ مغربی فکر و تہذیب کے عین مطابق ہے اور ان کی کوشش یہ لگتی ہے کہ وہ اسلامی نصوص کی ایسی تشریح کریں جس سے سیکولرزم، ہیومنزم، نیشنلزم، لبرلزم، ڈیموکریسی، نیشن سٹیٹ تھیوری اور مغربی و فکر تہذیب کے دیگر اصولوں کی تائید و تصویب ہو۔

اگر کوئی عالم قرآن وسنت پر غور کے نتیجے میں کسی ایسی رائے پر پہنچتا ہے جو پہلوں سے مختلف ہو (یعنی 'تفرد' ہو) تو یہ قابل مذمت نہیں ہے لیکن اگر کسی صاحب کی پوری فکر ہی تفردات پر مشتمل ہو اور امت کی چودہ سو سالہ فکری روایت اور تعامل کی نفی کرتی ہو اور گویا یہ تاثر دیتی ہو کہ دین کو پچھلے چودہ سو سال میں کوئی صحیح نہیں سمجھا سوائے ان کے، تو اس کا غلط ہونا اغلب ہے اور اگر ایسی فکر کسی غیر اسلامی فکر و فلسفے سے مطابقت رکھتی ہو تو اس کا تجدد اور گمراہی ہونا واضح ہے"۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین۔

بقیہ: بنگلہ دیش۔مظاہروں کے اصل اسباب

اگر شیخ مجیب الرحمن کی صاحبزادی بیگم حسینہ واجد کو سنار بنگلہ سے حقیقی محبت ہوتی تو وہ وہاں آمریت نہیں جمہوریت کو فروغ دیتیں، شہری آزادیوں کو عام کرتیں، بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی کو یقینی بناتیں اور ایک عادلانہ ومنصفانہ سوسائٹی قائم کرتیں اور خوشحال جمہوری بنگلہ دیش کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لیے اندھے انتقام سے اجتناب کرتیں اور سب کو ساتھ لے کر چلتیں۔ مگر یہ نہ تھی بنگلہ دیش کی قسمت۔

عالمِ اسلام

رضی الدین سید

بیت المقدس اور ہیکلِ سلیمانی

مسلمانوں کی عظیم مسجد بیت المقدس، اور یہودیوں کی معروف عبادت گاہ ہیکل سلیمانی دو الگ الگ عمارتیں ہیں یا ایک ہی عمارت کے دو نام ہیں؟، ایک دلچسپ علمی سوال جس کا جواب ذیل میں دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

بچپن ہی سے پڑھتے چلے آرہے ہیں کہ مسجد اقصیٰ وہ مسجد ہے جسے حضرت سلیمانؑ نے جنوں کی مدد سے تعمیر کروایا تھا، اور تعمیر کے دوران دیمک نے ان کی لاٹھی کو اندر ہی اندر سے کھالیا تھا جس کے باعث وہ ٹوٹ کر نیچے گئی تھی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوگیا تھا۔ ادھر عہد نامہ ءمقدس (بائبل) بھی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ یہودیوں کی عبادت گاہ ''ہیکل'' بھی حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے ہاتھوں تعمیر ہوئی تھی۔ اور اسی مناسبت سے اسے صحائفِ میں ''ہیکلِ سلیمانی'' (Soloman's Temple) کہا جاتا ہے۔ تاریخی حقائق کیا ہیں؟ ذیل میں ایک جائزہ لیا جاتا ہے۔

ا۔ علامہ ابن خلدون۔ معروف موئرخ علامہ ابن خلدون اپنے تاریخی مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ بنیادی طور پر بیت المقدس کے لیے ایک خصوصی جگہ کی نشاندہی حضرت ابرہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی ہی میں دے دی تھی، مگر اس کی اولین تعمیر حضرت یعقوب علیہ السلام نے کی تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد ماجد، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ بعد میں اس کی مزید تعمیرِ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں نے مل کر کی تھی، جبکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے رخصت ہوجانے کے باعث اسے حضرت سلیمانؑ نے تکمیل تک پہنچایا تھا۔

ابن خلدون کہتے ہیں کہ احادیث کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی سب سے اولین مسجد خانہ کعبہ ہے جبکہ مسجد اقصیٰ دوسری مسجد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان دونوں مساجد کے درمیان چالیس سالوں کا فاصلہ بتایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر بیت المقدس پر قبضے کے لیے صحرا سے روانہ ہوئے تو یروشلم ہی کے مقام پر ٹھہرتے ہوئے انہوں نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ وہ لکڑیوں کا ایک گنبد بنائیں، اس میں تابوتِ سکینہ (اللہ تعالے کا نام اور احکاماتِ عشرہ) رکھیں، اور یہیں ایک مذبح قربانی کے لیے بھی مقرر کریں حکم الٰہی تھا کہ مذبح کے نگراں حضرت ہارون علیہ السلام ہوں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل اپنی نمازیں اسی گنبد کی جانب منہ کر کے ادا کیا کرتے تھے جبکہ قربِ الٰہی کے لیے اس کے سامنے والی قربان گاہ میں قربانیاں کیا کرتے تھے۔

حضرت موسیٰؑ نے بعد میں اس گنبد کو ایک نزدیکی چٹان پر رکھ دیا تھا جس پر کچھ عرصے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مسجد بنادی تھی۔ حسین تر کرنے کی خاطر بنی اسرائیل نے اس میں سونا، چاندی، پیتل، اور شیشہ وغیرہ بہت ساری قیمتی اشیاء ڈال دی تھیں۔ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے چار سو سالوں بعد کا ہے۔ اس طرح تیار ہونے کے بعد یہ بیت المقدس تقریباً آٹھ سو سالوں تک اسی مقام پر قائم رہا۔

پھر سب سے پہلے رومی بت پرست بادشاہ ''بخت نصر'' نے اپنی حکومت کے خلاف بغاوت کے نتیجے میں اسے نہ صرف زمین بوس کیا، بلکہ خود بنی اسرائیل کو بھی ہزاروں کی تعداد میں غلام بنا کر دارالحکومت بابل لے گیا۔ بعد ازاں فارسی حکمرانوں کے دور میں جب یہودیوں کو اس مسجد کو ایک بار پھر تعمیر کرنے کا موقعہ دیا گیا تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے اسے تعمیر کیا بلکہ ایک عرصے تک وہ یروشلم میں رہتے بستے بھی رہے۔

کچھ عرصے کے بعد یروشلم جب ایک بار پھر رومیوں کے قبضے میں آیا تو یہودیوں نے اس حکومت کے خلاف حسبِ دستور ایک بار پھر بغاوت کی۔ زمانہ اب حضرت عزیر علیہ السلام کا آچکا تھا۔ لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کی ہدایت و رہنمائی کا بھی انہوں نے کوئی خاص اثر نہیں لیا۔ جواب میں سپہ سالار ''طوطس'' نے ۷۰ء میں یروشلم پر دوبارہ یلغار کی اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ نہ صرف یہ کہ مسجد کو زمین بوس کیا بلکہ اسے آگ بھی لگادی جبکہ یہودیوں کو بھاری تعداد میں غلام بنا کر حسبِ دستور ایک بار پھر بابل لیجایا گیا۔ اس طرح بنی اسرائیل

کی سرکشیوں اور خدا کی نافرمانیوں کے باعث بیت المقدس و یروشلم، ایک بار نہیں بلکہ دو بار اجاڑ کر ویران کیا گیا۔

بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متصل دور میں حضرت زکریا علیہ السلام نے مسجدِ سلیمانی سے ذرا ہٹ کر ایک بار پھر اسی مسجد کی تعمیر کروائی۔ اس کے بعد ایک دور وہ آیا جب رومی بادشاہ ''قُسطنطائن'' (کانسٹنٹائن نے بذاتِ خود عیسائیت قبول کر لی اور مملکت کا سرکاری مذہب بت پرستی وسورج پرستی سے ہٹا کر دین عیسویؑ کو قرار دیا۔ عیسائیوں کے لیے یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی کیونکہ اس سے قبل بہت چھوٹی اقلیت ہونے کے باعث یہودی انہیں بری طرح رگید تے پھرتے تھے۔ چنانچہ اب عیسائیت کو جب یکا یک ''عالمی'' غلبہ حاصل ہوا تو اپنے نبی حضرت عیسیٰؑ کو تکلیف دینے اور پھانسی کے تختے تک پہنچانے کے جرم میں رومی حکومت کے ساتھ مل کر عیسائیوں نے یہودیوں پر عذاب کا سلسلہ ایک بار پھر شروع کر دیا۔

شاہ قسطنطین کی ماں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عقیدت سے مجبور ہو کر ان کی صلیب والی لکڑی کو، یہودیوں کے حسد وجلن کے تحت پھینکے گئے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے مشقت سے برآمد کروا کے اس جگہ ایک چھوٹا سا گرجا بنام ''کنیسۃ القیامہ'' بنوادیا جو آج بھی وہاں موجود ہے۔ عیسائیوں کے مطابق اس گرجے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مزار سے متصل بنایا گیا ہے۔ ''انتقام کا بدلہ انتقام'' کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ملکہ قسطنطین نے پھر ہیکل (مسجد) پر بے حد وحساب کوڑا کرکٹ ڈلوا کے اپنے دل کو ٹھنڈک پہنچائی۔ علامہ کہتے ہیں کہ '' تاہم صورت حال یہ ہے کہ زمانہ ءدراز گذر جانے کے بعد اب ہیکل کا نام ونشان بھی مٹ چکا ہے''۔

بعد میں یروشلم (بیت المقدس) پر جب حضرت عمر فاروقؓ کا اقتدار ہوا تو آپ نے اس جگہ کو صاف ستھرا کرنے کا حکم دیا اور خودؓ بھی اس عمل میں شرکت فرمائی۔ پھر صخراء (چٹان) پر آپؓ نے چھوٹی سی ایک مسجد تعمیر کروادی۔ بعد ازاں صلیبیو ں نے جب مسلم حکومتوں سے یروشلم چھین لیا تو نفرت سے یہ مسجد بھی انہوں نے مسمار کر دی اور صخرا پر اپنا ایک الگ گرجا تعمیر کروالیا۔ تاہم جب سلطان صلاح ....الدین ایوبیؒ نے صلیبیوں کو شکست فاش دے دی تو صلاح الدین نے ایک چھوٹی سی مسجد وہاں دوبارہ بنوادی جو اپنی جگہ پر آج تک موجود ہے۔

(مقدمہ ابن خلدون۔صفحہ ۲۱۱، اور ۲۱۷ تا ۲۱۹)۔واضح رہے کہ علامہ ابن خلدون ''ہیکل'' کو جگہ جگہ ''مسجد'' بھی کہتے رہے ہیں۔

۲۔نیٹ انسائی کلو پیڈیا۔گوگل سرچ۔نیٹ انسائی کلو پیڈیا بتاتی ہے کہ مسجد اقصیٰ اس وقت جہاں واقع ہے، وہاں ۷۰ءعیسوی میں ہیکل ہوا کرتا تھا۔تاہم رومی سپہ سالار ''ٹائی ٹوس (یا طیطوس)'' نے یہودیوں کے خلاف غصے اور انتقام میں مسمار کر کے اسے زمین بوس کردیا تھا۔اس مقام پر سب سے پہلے حضرت عمرؓ ہی نے ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی جسے بعد میں اموی خلیفہ عبدالملک نے مزید توسیع دی۔بعدازاں ۷۰۵ء میں اس کے بیٹے الولید نے اس کی مزید توسیع کی تھی۔بدقسمتی سے ۷۴۶ء میں ایک زلزلے نے اسے بالکل تباہ و برباد کر دیا تھا جسے ۷۵۴ء میں پہلے عباسی خلیفہ جعفر المنصور نے، اور بعدازاں ۷۸۰ء میں اس کے جانشین المہدی نے از سرِنو تعمیر کروایا تھا۔

۱۰۳۳ء میں وہاں ایک اور بڑا زلزلہ آیا تھا جس کے باعث مسجد کا ایک بڑا حصہ دوبارہ تباہ ہو گیا تھا۔دو سال بعد اسے فاطمی خلیفہ ''الظاہر باللہ'' نے ایک بار پھر نئے سرے سے تعمیر کروایا۔اس دوران ہر خلیفہ نے اس میں توسیع و تزئین کا کام مسلسل جاری رکھا۔اسی توسیع و تزئین کا حصہ آج کے گنبد اور مینار بھی ہیں۔

۱۰۹۹ء میں جب صلیبیوں نے یروشلم پر قبضہ کیا تو انہوں نے مسجد کو گرجا میں تبدیل کر دیا اور ہیکلِ سلیمانی کہہ کر پکارنے لگے۔انہوں نے وہاں اپنا شاہی اصطبل بھی قائم کر دیا۔صلیبی دور ہی میں معروف دہشت گرد تنظیم ''نائٹ ٹیمپلرس'' نے بھی اپنا صدر دفتر بیت المقدس منتقل کرنا ضروری سمجھا تھا۔

تاہم ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے صلیبیوں کو نکال باہر کر کے اس کی پرانی حیثیت بحال کر دی تھی۔یروشلم شہر پر قبضے کے فوراً بعد سلطان نے ایک ہفتے کے اندر اندر مسجد کو جمعے کی نماز کے لیے نئے سرے سے تیار کروایا تھا اور صلیبیوں کے قائم کردہ اناج گودام ختم کروا کے وہاں وضو خانہ قائم کیا تھا،صحن میں قالین بچھائے تھے، اور جگہ جگہ عرقِ گلاب کی خوشبو کا چھڑکاؤ کروایا تھا۔صلاح الدین ایوبی کے فرمانروا سلطان نور الدین زنگیؒ نے مسجد کے محراب

کے لیے ہاتھی دانت کا ایک قیمتی منبر بھی تیار کروایا تھا تاہم زنگی کی موت اسے وہاں نصب کرنے کا موقعہ نہیں دے سکی۔ بعد ازاں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اسی کی جانب سے مسجد میں منبر کو نصب کیا تھا۔ اسی مناسبت سے منبر کو پھر ''منبر ایوبی'' بھی کہا جانے لگا تھا۔ یہی وہ منبر ہے جسے اگست ۱۹۶۹ء میں یہودیوں نے انتقاماً آگ لگائی تھی۔ بعد ازاں اپنے دور میں عثمانیوں نے مسجد میں ایک خوبصورت فوارے کا اضافہ کیا تھا۔ ماضی قریب میں اس تاریخی مسجد کی نگرانی فلسطینیوں کے محبوب مذہبی پیشوا مفتی امین الحسینی مرحوم کرتے رہے تھے۔

۱۹۸۰ء میں اسرائیلی دہشت گرد تنظیم ''گش اومونیم'' کے دو افراد نے مسجد کو بم سے اڑانے کی ایک کوشش کی تا کہ اس کی جگہ ہیکل کی تعمیر کے لیے عالمی یہودیوں کو بیدار کیا جا سکے۔ یروشلم پر فی الحال اگر چہ یہودیوں کا قبضہ ہے لیکن مسجد کا انتظام وانصرام حسبِ سابق اب بھی اردنی و فلسطینی نگران اسلامی وقف کونسل کے ذمے ہے۔ (تاہم یہ انتظام محض کاغذی ہے کیونکہ اس میں نگرانی وتفتیش کے اختیارات اسرائیلی فوجیوں کے ذمے رکھے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آئے دن مسجد کو ان کے فوجی بوٹوں سے پامال ہوتے دیکھتے رہتے ہیں جس کے لیے کوئی بھی اسلامی حکومت اسرائیل سے احتجاج نہیں کرتی)۔

انسائی کلوپیڈیا بتاتا ہے کہ ۲۰۱۲ء میں یہ بات سامنے آئی کہ ایک ماہرِ ارضیات ''رابرٹ ہملٹن'' نے صیہون پہاڑی پر (جس پر یہ مسجد قائم ہے)، ارضیاتی تحقیق کرتے ہوئے بتایا تھا کہ مسجد کے نیچے ہیکلِ سلیمانی کے بعض آثار (پتھر وغیرہ) ملے ہیں۔

۳۔ دی کریسنٹ انٹرنیشنل، کینیڈا (جولائی ۲۰۱۴ء)۔ اس انگریزی رسالہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے اسماعیلؑ اور اپنی اہلیہ محترمہ ہاجرہ علہیم السلام کو اگر چہ مکہ کی بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود فلسطین واپس لوٹ آئے تھے۔ انہوں نے وہاں ایک عبادت گاہ بھی قائم کی ہوگی جسے یہودیوں نے بعد میں ''بیت ایل'' کا نام دے دیا۔ اس میں ''ایل'' سے مراد اللہ ہے۔ یعنی اللہ کا گھر!۔ چونکہ مسجد انہی کی قائم کردہ اولین مسجد ''بیت اللہ'' سے اُس دور کے حساب سے بے حد فاصلے پر تھی، اس لیے قرآن نے سورہ اسریٰ میں اسے ''دور کی مسجد'' یعنی ''المسجد الاقصیٰ'' قرار دیا۔

فلسطین میں چونکہ ''فلسطی'' قوم کی اکثریت تھی اس لیے علاقے کا نام بھی فلسطین پڑ گیا۔یہی وہ فلسطی قوم تھی جس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا تعلق تھا۔اگرچہ حضرت ابراہیمؑ علاقے ''اُر'' (موجودہ عراق) میں پیدا ہوئے تھے لیکن نمرود کی بادشاہت کے باعث انہیں وہاں سے نکل جانا پڑا تھا۔پھر وہؑ یہیں فلسطین میں تشریف لائے تھے۔آج کا شہر ''الخلیل'' دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے ہی اس نام سے پکارا جاتا ہے۔

بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حکمت سے حضرت یعقوب علیہ السلام اوران کا پورا خاندان جب فلسطین سے مصر منتقل ہوگیا تو مسجد اقصیٰ کی تولیت وہاں کی مقامی آبادی کے سپرد کی گئی۔پھر بنی اسرائیل کی ضد اور بغاوت کے باعث جب یروشلم اور ہیکل (مسجد اقصیٰ) کی بار بار تباہی و بربادی ہوئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کو ایک بار پھر نئے سرے سے تعمیر کیا۔بخت نصر کے ہاتھوں ہیکل کی بربادی وتباہی کا تفصیلی ذکر بائیبل کتاب سلاطین دوئم باب ۲۴ اور ۲۵ میں کیا گیا ہے جس کا ایک چھوٹا سا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے۔

''بابل کے سپاہیوں نے معبود کے گھر [بیت ایل] 'میں تمام کانسہ کی چیزوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کردئے' کانسہ کے ستون [ہرستون ۲۷ فٹ لمبا]،ستون پر شہتیر تھے جو ساڑھے چار فٹ لمبے تھے، بڑے کانسے کا حوض، گاڑیاں، جو سلیمان کے معبود کے گھر کے لیے بنائی گئی تھیں۔ان چیزوں کا کانسہ اتنا وزنی تھا کہ اس کو تولا نہیں جاسکتا تھا''۔(ایضاً۔آیت ۱۷۔۱۶)

۴۔عبداللہ یوسف علی۔معروف انگریزی مفسر ومترجم قرآن عبداللہ یوسف علی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصی یا ہیکل کو ۱۰۰۴ ق م میں تعمیر کروایا تھا۔لیکن ۵۸۶ ق م میں بخت نصر نے اسے تباہ و برباد کردیا۔پھر حضرت نہمیاہ اور حضرت عزیر علیہ السلام نے ۵۱۵ ق م میں اسے دوبارہ تعمیر کروایا۔لیکن یہ عمارت ایک بار پھر تخریب کی زد میں آئی، جبکہ ۷۰ء میں رومی شاہ طوطس نے اسے دوبارہ زمین بوس کیا۔اس کے ایک طویل عرصے بعد اموی خلیفہ عبدالملک نے ہجری ۶۸ (تقریباً ۷۱۸ء) میں اس کی تعمیر دوبارہ کروائی۔عبداللہ یوسف علی لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یروشلم کی پہاڑی ''موریاہ'' (گنبدِ صخرا) پر ایک نئی مسجد تعمیر کروائی تھی۔مفسر کے مطابق بھی ہیکل سلیمانی اور مسجدِ اقصیٰ ایک

ہی عمارت کے دونام ہیں۔[1]

۵۔دیگر ۔قرآنِ پاک کے دیگر مفسرین اس ضمن میں مندرجہ ذیل رائے دیتے ہیں۔

ا۔☆مولانا ابوالکلام آزاد۔سورہ اسریٰ کی مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے ماحول میں اس نے برکتیں رکھی ہیں''۔مولانا کہتے ہیں کہ ''یہاں مسجدِ حرام سے مقصود مکہ ہے اور مسجدِ اقصیٰ سے بیت المقدس کا ہیکل!۔اسے اقصیٰ اس لیے فرمایا کہ عرب کے لیے قریب کی عبادت گاہ خانہ کعبہ تھی اور دور کی عبادت گاہ ہیکل''(تفسیر ترجمان القرآن۔ج ۲۔ ص ۳۴۶)۔مولانا کے خیال میں ہیکل اور مسجدِ اقصی ایک ہی عمارت کے دونام ہیں۔

۲۔☆علامہ ابنِ کثیر۔معروف قدیم مفسر علامہ ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے جو ایلیا(شہر کے قدیم نام)میں واقع ہے، اور انبیاء علیہم السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے مرکز رہا ہے۔ مسجد کو دور کی مسجد اس لیے کہا جاتا ہے کہ مکہ سے مسجدِ اقصیٰ تک ایک ہی رات میں سیر کروائی گئی تھی جبکہ اس کی مسافت جانوروں کی رفتار کے لحاظ سے سوا مہینے کے برابر تھی۔

۳۔☆محمد اسد۔عرب کے ایک مفسر محمد اسد نے بھی اپنے ترجمہءقرآن میں مسجدِ اقصیٰ سے ہیکل سلیمانی ہی مراد لیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ یروشلم میں مسجدِ اقصیٰ (ہیکل)،اور مکے میں کعبے کا ذکر قرآن میں ایک ساتھ آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اپنے مذہب کو اللہ تعالیٰ نے دونوں جگہ ایک ہی بتایا ہے۔[2]

خلاصہ: ہمیں معلوم ہے کہ قدیم دور میں معلوم دنیا عمومی طور پر مشرقِ وسطیٰ تک محدود تھی۔ اسی لیے بیشتر انبیاء بھی انہی علاقوں میں مبعوث ہوتے رہے تھے۔حضرت آدم و ملائکہ علیہم السلام کی مشترکہ تعمیر کے بعد ''دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا''(یعنی خانہ کعبہ) جب

---

[1] The Holy Quran,Vol II, Sh Mohammad Ashraf ' Kashmiri Bazar Lahore.Year:NA

حاشیہ سورہ بنی اسرائیل،صفحہ ۶۹۱

[2] *The Message of Quran* , Published by Darul Andalus, Gibralter, 1980

طوفانِ نوح کے نتیجے میں ختم ہو گیا تو اس کے بعد اسے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ازسرِ نو تعمیر کروایا تھا جس کی تفصیلات ہم سب کو معلوم ہیں۔

اس کے چالیس سالوں بعد مشرقِ وسطیٰ (فلسطین، یا شام میں، کیونکہ فلسطین ہمیشہ سے شام کا ایک صوبہ رہا ہے) ایک دوسری مسجد اقصیٰ یا ہیکل تعمیر کی گئی تھی۔ یروشلم ہی میں اولادِ ابراہیمؑ میں سے بہت سے انبیاء کے مزارات پائے جاتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰؑ کا مزار بھی شامل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کی کوشش بھی اسی شہر میں کی گئی تھی۔

یقیناً اس مقام پر اصل عمارت مسجد ہی کی ہے۔ لیکن بعد میں یہودیوں نے اسے مسجد کے بدلے ''ہیکل'' کہہ کر پکارنا شروع کر دیا تھا جس کا ذکر بڑی شد و مد سے ان کی مقدس کتاب عہد نامہء قدیم (بائیبل) میں ملتا ہے۔ یوں بھی عقل یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے کہ اللہ کے محبوب نبی، حضرت سلیمان علیہ السلام اگر اپنے رب کی منشاء کے مطابق کوئی عبادت گاہ تعمیر کروائیں گے، تو ایک ہی مقصد کی خاطر ایک ہی جگہ وہ دو عمارتیں تعمیر کروائیں گے۔ ممکن ہے کہ اس دور میں عمارت کا نام ہیکل یا مسجد نہیں ہو بلکہ اس کے لیے کوئی اور مناسب سی اصطلاح پائی جاتی ہو جسے بعد میں یہودی ربیوں نے اپنے مطلب، اور دوسری عبادت گاہوں سے ممیز کرنے کی خاطر ہیکل کہہ کر پکارنا شروع کر دیا ہو!۔ یاد رہے کہ بنی اسرائیل کی زبان عربی نہیں بلکہ عبرانی تھی جو اب قدیم شکل میں دنیا میں موجود نہیں ہے۔ جس زبان میں تورات اتری تھی، وہ زبان موجودہ بائبل بھی یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کی گئی ہے۔ یہودیوں نے اپنے کینے اور تعصب کے باعث تورات اور صحف انبیاء کے ہر ہر صفحے کو اپنی خواہشات کی نذر کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث میں پہلے ہی آگاہی دے دی ہے کہ مسجد اقصیٰ دنیا کی دوسری بڑی مسجد ہے اور اس کی تعمیر خانہ کعبہ کے چالیس سالوں بعد یروشلم میں ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ عبادت گاہ یہ مسجد اقصیٰ ہی ہے۔ قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ مسجدِ اقصیٰ کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں آیا ہے جہاں ان کے بقول ہیکل موجود تھا۔ اس سے بھی اللہ تعالیٰ کو یہ بات سمجھانی تھی کہ جس عبادت گاہ کو تم ہیکل کہتے ہو، وہ یہی مسجد اقصیٰ ہے۔ ایک اور قابلِ توجہ نکتہ یہ بھی ہے کہ بعض مفسرین نے یہاں کعبے کو بھی ''ٹیمپل'' کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی

Temple of Kaaba, the first Temple set up for mankind

ڈکشنری میں بھی ''ٹیمپل'' سے عمومی مراد عبادت خانہ ہے۔مزید سورہ کہف کی یہ آیت بھی ملحوظ رہنی چاہیے جس میں اصحابِ کہف کے نیند سے دوبارہ اٹھنے، پھر مر جانے اور علاقے کے لوگوں کو ان کی حقیقت کا پتہ لگنے پر تجویز سامنے آئی کہ ان کے مزار پر ایک عبادت گاہ بنادی جائے جسے قرآن نے ''مسجداً'' کہا ہے۔''وہ کہنے لگے کہ ہم ان کے غار پر ایک مسجد بنائیں گے'' (سورہ کہف۔۱۸:۲۱)۔یہ تجویز ان عیسائیوں نے دی تھی جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے تھے۔ہوسکتا ہے کہ ان کا خیال آج کی مانند واقعی مسجد ہی کی تعمیر کا ہو۔اس لحاظ سے ممکن ہے کہ مسجد اقصیٰ بھی ابتدا میں مسجد ہی کے نام سے تعمیر ہوئی ہو!

اسے بھی قدرت کا ایک انتقام ہی سمجھنا چاہئے کہ تاریخ میں یہودیوں کی تعداد آج تک بھی کبھی دو کروڑ تک نہیں پہنچ سکی ہے۔اس تعداد سے وہ ہمیشہ نیچے ہی رہے ہیں۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اپنے مذہب کو انہوں نے کبھی تبلیغی ودعوتی سمجھا ہی نہیں۔یہودیت کو وہ سدا سے اپنا ایک نسلی (family) مذہب گردانتے ہیں جس میں کوئی اور فرد داخل ہو ہی نہیں سکتا۔ایک مرض جس میں وہ آج تک مبتلا ہیں۔اتنی کم تعداد میں ہونے کے باوجود بنی اسرائیل کا اپنے دور کی ایک وسیع وعریض حکومت کے خلاف دوبار بغاوت کرنا ناقابل فہم سی بات معلوم ہوتی ہے۔غالباً عقل ودانائی رکھنے والا کوئی فرد بھی ان میں باقی نہیں رہ گیا تھا جو انہیں ان باغیانہ اقدامات سے باز رکھتا!۔یا پھر اپنے مصلحین کی بات سننے سے انہوں نے قطعی منہ موڑ لیا تھا۔معلوم رہنا چاہئے کہ بنی اسرائیل وہ قوم ہے جس کے درمیان انبیائے کرام سدا سے موجود رہے تھے لیکن انہوں نے اپنے نبیوں کی بات کبھی مان کر ہی نہیں دی تھی۔بلکہ وہ انہیں الٹا ذبح ،اور قتل کیا کرتے تھے۔اس گھناؤنے جرم کو قرآن پاک نے یوں بیان کیا ہے کہ ﴿وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ یعنی وہ اپنے انبیاء کو بلا ناحق قتل کردیا کرتے تھے۔

ہر ذہن میں یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ مسجدِ اقصیٰ کو گرا کر یہودی ایک بار پھر اپنا وہی قدیم ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں جو ۷۰ء کے رومی حملے کے بعد پھر کبھی تعمیر نہیں ہوسکا ہے۔۷۰ ہجری کی زمین بوسی سے اب ۱۸۵۴ سالوں تک تو ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوسکی ہے،اور اللہ تعالی کی پیش گوئی کے مطابق یہ اب کبھی دوبارہ تعمیر نہیں ہوسکتا!

عالم اسلام/غزہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

'غزہ کے لیے آئندہ کا لائحہ عمل'

اسلام آباد میں آل پارٹیز کانفرنس

[اتحاد ملت اسلامیہ، التعاون اور دی ریوائیول نامی اسلامی تنظیموں نے مل کر ۲۰/ جولائی ۲۰۲۴ء کو اسلام آباد میں 'غزہ کے لیے آئندہ کا لائحہ عمل'' کے عنوان سے کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اس میں راقم کے ایک ساتھی نے میرا مندرجہ ذیل مختصر پیغام پڑھا۔ مدیر]

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ غزہ کے لیے آئندہ لائحہ عمل پر غور کرنے کے لیے آل پارٹیز کانفرنس منعقد کر رہے ہیں۔ اللہ کرے شرکاء گرامی کسی نتیجہ خیز حل تک پہنچ سکیں۔ مَیں طبیعت کی خرابی کی وجہ سے اسلام آباد نہیں آ سکا لیکن راولپنڈی سے محمد محمود علی صاحب اس کانفرنس میں ہماری نمائندگی کریں گے۔

غزہ کے لیے ہماری کوششوں کے کامیاب نہ ہونے کی بظاہر دو بڑی وجوہ ہیں:

ایک: ہمارے حکمران طبقوں (سیاسی، فوجی، انتظامی، عدالتی) کی امریکہ نوازی بلکہ امریکی غلامی جس کی وجہ سے عملی اقدامات تو رہے ایک طرف، زبانی حمایت بھی پاکستان کی طرف سے مؤثر طریقے سے نہیں ہو سکی بلکہ جو دینی قوتیں غزہ کے لیے کام کرنا چاہتی تھیں، ان کی بھی دار و گیر کی گئی۔

دوسرا: ہماری دینی قوتوں کا متحد نہ ہونا کہ بڑی دینی جماعتیں مل کر غزہ کے لیے ایک بڑا جلوس بھی نہیں نکال سکیں۔

پہلے سبب کو دور کرنے کے لیے اور حکمرانوں کی اصلاح یا حصولِ اقتدار کے لیے ہماری دینی سیاسی قوتوں کی کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور مستقبل قریب میں اس صورت حال کی بہتری کے کوئی امکانات نظر نہیں آتے۔

* اس مقصد کے لیے دیرپا کوششوں کے حوالے سے ہماری دینی قوتیں کوئی محنت نہیں

کررہیں ۔ میرا مطلب ہے عوام وخواص کی دینی تربیت بذریعہ تعلیم/ دعوت/ میڈیا تاکہ وہ اسلامی مقاصد کے لیے دینی قوتوں کا ساتھ دیں۔

* دینی قوتوں کو متحد کرنے کے لیے بھی مزید منظم کوششوں کی ضرورت ہے۔

* کانفرنس کے شرکاء سے درخواست ہے کہ وہ ان دونوں شعبوں میں مؤثر کام کرنے کی تدابیر پر غور کریں۔

* ہمارا ادارہ (تحریکِ اصلاحِ تعلیم) پچھلے ۳۴ سال سے اصلاحِ تعلیم اور ملی مجلس شرعی ۱۷ سال سے اتحاد بین العلماء کا کام کررہا ہے لیکن قوم اور دینی قوتوں کی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے قومی سطح کا کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوسکا۔ شرکاء گرامی سے درخواست ہے کہ اگر وہ مذکورہ دو امور کو اہم سمجھتے ہوں تو وہ ہماری سرپرستی فرمانے پر غور کریں۔

بقیہ: افغانستان کے تازہ ترین حالات

پاکستان کی جانب سے افغانستان کے اندر ٹی ٹی پی کے ٹھکانوں کو نشانہ بنانے کے سوال پر ترجمان نے کہا کہ ہم نے بارہا کہا ہے کہ ہم پاکستان میں امن چاہتے ہیں۔ البتہ انہیں اپنے اندرونی مسائل خود حل کرنے ہیں اور اسے افغانستان سے جوڑنا درست نہیں۔ اگر ان کے پاس کوئی ثبوت ہے تو ہمیں دیں، ہم خود کارروائی کریں گے اور پاکستان کے خلاف کارروائی کرنے والے کسی فرد کو نہیں چھوڑیں گے۔

انہوں نے کہا کہ ہم پاکستان کو یقین دلاتے ہیں کہ افغانستان کی سرزمین ان کے خلاف استعمال نہیں ہوگی لیکن یہ کہنا کہ افغانستان پر حملہ اور کارروائی کریں گے تو ایسا کرنا جارحیت ہوگا، ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں اور افغان اپنے ملک میں کسی کی بھی جارحیت برداشت نہیں کریں گے۔

جب ان سے سوال کیا گیا کہ کیا افغان حکومت پاکستان اور ٹی ٹی پی کے درمیان مذاکرات میں ثالثی کا کردار ادا کرے گی تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر اس سلسلے میں پاکستان کی جانب سے پیغام آتا ہے تو ہم اس کے لیے تیار ہیں لیکن اگر وہ نہیں چاہتے تو ہم ان کے اندرونی مسائل میں دخل اندازی نہیں کریں گے۔

عالمِ اسلام

ذبیح اللہ مجاہد

افغانستان کے تازہ ترین حالات

افغان حکومت کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے یوٹیوب چینل 'خراسان ڈائریز' کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ دوحہ میں ہونے والی پچھلی دو نشستوں میں ہم شریک نہیں تھے تو اس کے نتائج برآمد نہیں ہوسکے، اس تیسری نشست میں امارات اسلامی کے تمام قوانین وضوابط کا خیال رکھا گیا اور یہ ہمارے لیے بڑی کامیابی ہے کہ اقوام متحدہ نے ہمارے مطالبات کو اہمیت دی۔

ان کا کہنا تھا کہ ہماری دوسری بڑی کامیابی یہ ہے کہ بین الاقوامی برادری کے مختلف مما لک نے ہم سے بات کی۔ اس نشست کے اہم نکات میں افغانستان میں بینکوں اور نجی شعبوں کی مضبوطی شامل ہے جبکہ اس سلسلے میں موجودہ رکاوٹوں کو دور کرنے پر بھی بات ہوئی۔

انہوں نے کہا کہ ہم نے افغانستان کی سرزمین سے منشیات کے مکمل خاتمے کی بھی بات کی کیونکہ ہم نے اس کے خلاف بھرپور کارروائیاں کی ہیں اور اس سے افغان شہری متاثر بھی ہوئے ہیں، اس سے روزگار کے مسائل جنم لیتے ہیں اور عام افغان کا اقتصاد متاثر ہوتا ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ ہم نے عالمی برادری کے سامنے اپنا موقف رکھا جسے انہوں نے سنا اور اس سے اتفاق کرتے ہوئے اس سلسلے میں ہر ممکن مدد کی یقین دہانی کرائی ہے لیکن ہم ان فیصلوں کا عملی اطلاق چاہتے ہیں اور صرف باتوں تک محدود نہیں رہنا چاہتے۔

تجارت میں 2021ء کے مقابلے میں 80 فیصد اضافے کے حوالے سے سوال پر ذبیح اللہ مجاہد نے کہا کہ ہم نے عالمی برداری کو اپنی اقتصادی پیشرفت سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ ہماری درآمدات، برآمدات اور کاروبار میں کافی حد تک بہتری آئی ہے۔ ہم نے اس پر کافی کام کیا ہے لیکن ابھی بھی یہ کافی نہیں ہے۔ جب بین الاقوامی سطح پر ہمارے مسائل حل ہو جائیں گے تو حالات میں مزید بہتری آئے گی۔

انہوں نے کہا کہ ہمسایہ مما لک کے ساتھ ہمارے تجارتی معاملات اچھے ہیں۔ پاکستان

کے ساتھ تجارت باقی ملکوں کی نسبت زیادہ ہے۔ پاکستان اور افغانستان ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں لہٰذا ہم پاکستانی قوم اور حکومت سے کہنا چاہتے ہیں کہ سیاسی اور تجارتی معاملات کو الگ رکھنا چاہیے ورنہ اس سے سیاسی اختلافات بڑھیں گے۔

ان کا کہنا تھا کہ دونوں ملکوں کے تجارتی معاملات دراصل سیاسی مسائل سے متاثر ہوئے ہیں۔ دونوں ملکوں کے تاجروں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے لہٰذا ہمارا مطالبہ ہے کہ سیاست اور تجارت کو الگ رکھیں۔

داعش کے حوالے سے ایک سوال کے جواب پر انہوں نے کہا کہ داعش امارات اسلامیہ کے آنے سے پہلے افغانستان میں موجود تھی، ان کے ٹھکانے اور تربیت گاہیں بھی تھیں جن میں افغانیوں کی بھرتی کی جارہی تھی لیکن ہم نے انہیں ختم کرنے کے لیے آپریشن کیے ہیں، ان کے تمام تربیتی ٹھکانے اور مراکز تباہ ہو گئے ہیں اور اس پر مسلسل کام چل رہا ہے۔

افغان حکومت کے ترجمان نے کہا کہ پاکستان کا مسئلہ 2001ء سے چلتا آرہا ہے جو ان کے آپریشنز کے ساتھ شروع ہوا۔ تحریک طالبان پاکستان پہلے سے موجود تھی، پاکستان میں پہلے سے بدامنی تھی اور یہ سلسلہ اب بھی چل رہا ہے۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان میں امن ہمارے لیے انتہائی ضروری ہے، ہم نے بارہا پاکستان کو اپنی مدد کی یقین دہانی کرائی ہے۔ ان سے کہا کہ اگر تحفظات ہیں تو ہمارے ساتھ بات کریں، ہم کسی کے بھی خلاف افغان سرزمین استعمال نہیں ہونے دیں گے کیونکہ ہم نے جنگ دیکھی ہے اور ہم کسی بھی ملک میں یہ نہیں چاہتے۔

ان کا کہنا تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر اندرونی مسائل انہیں خود حل کرنا ہوں گے۔ یہ ممکن نہیں کہ پاکستانی سرزمین پر کچھ ہونے کی صورت میں وہ افغانستان کی ذمے داری ہو۔ افغانستان میں کوئی بھی شخص پاکستان کے اندر حالات خراب کرنا نہیں چاہتا۔

ذبیح اللہ مجاہد نے کہا کہ دونوں ملکوں کو چاہیے کہ وہ افہام و تفہیم سے معاملہ حل کریں اور ان معاملات پر کام کریں۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۵۶)

عالم اسلام ڈاکٹر حسین احمد پراچہ

بنگلہ دیش۔مظاہروں کے اصل اسباب

پروفیسر زبیر بن عمر صدیقی نے آج ڈلاس سے ایک غیر ملکی ٹی وی چینل کا کلپ بھیجا ہے۔ کلپ میں ابوسعید نامی ایک بنگلہ دیشی نوجوان پولیس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہے اور بآواز بلند کہہ رہا ہے مارو گولی! مارو گولی! تم میرا جسم تو چھلنی کر سکتے ہو مگر مجھ سے شہری ہونے کا اعزاز چھین سکتے ہو نہ میرے حقوق پر ڈاکا ڈال سکتے ہو''۔ سپاہیوں نے ایک نہیں، تین چار گولیاں نوجوان کے سینے میں اتار دیں اور اسے خون میں نہلا دیا۔ یہ کلپ جہاں مجھے تڑپا گیا ہے وہاں مجھے یہ حقیقت بھی سمجھا گیا ہے کہ اپنی تاریخ سے ہم نے کچھ سیکھا ہے اور نہ ہی ہم سے جدا ہونے والے بھائیوں نے کوئی سبق حاصل کیا ہے۔

تیسری دنیا کے تنگ نظر حکمران اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے ہر حربہ استعمال کرنے کو روا سمجھتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں گزشتہ ہفتے لاکھوں طلبہ اپنے مطالبات کے لیے ڈھاکہ میں ہی نہیں، دیگر شہروں کی سڑکوں پر بھی اُمڈ آئے۔ ان چھ سات روز کے دوران 163 لوگ بنگلہ دیشی فوج، پولیس اور ہتھ چھٹ عوامی لیگ کے سٹوڈنٹ وِنگ نے ہلاک کر دیے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں زخمی ہسپتالوں میں پڑے کراہ رہے ہیں۔ 1971ء کی ''جنگِ آزادی'' میں عوامی لیگ کا ساتھ دینے والے اور چھاپہ مار کارروائیوں میں شرکت کرنے والوں کی دوسری، تیسری نسل کو بنگلہ دیشی ملازمتوں میں 30 فیصد کوٹا دیا جاتا تھا۔ 10 فیصد کوٹا خواتین اور 10 فیصد دیہی علاقوں کے رہائشیوں کے لیے مخصوص تھا، چھ فیصد کوٹا اقلیتوں اور معذوروں کو دیا جاتا تھا۔ یوں یہ کوٹا 56 فیصد بنتا تھا۔

اس بندر بانٹ کے بعد میرٹ پر شاندار پرفارمنس دکھانے اور جاں توڑ محنت کرنے والے طلبہ وطالبات کے لیے کچھ نہیں بچتا تھا۔ جس ملک کا نظام ایسی ظالمانہ وغیر منصفانہ تقسیم پر قائم ہو وہ کب تک چل سکتا ہے؟ اس وقت بنگلہ دیش میں تقریباً دو کروڑ نوجوان بیروزگار ہیں۔ طلبہ کے اس شدید احتجاج کے نتیجے میں بنگلہ دیش کی سپریم کورٹ نے 1971ء کی جنگ لڑنے والوں کی اولادوں کے کوٹے کو 30 سے کم کر کے صرف پانچ فیصد کر دیا جبکہ اقلیتوں اور معذوروں کو ایک، ایک فیصد کوٹا ملے گا۔ مظاہرین ان اقدامات کو غیر واضح قرار دے رہے

ہیں۔ ڈھاکہ اور دیگر کئی شہروں میں ابھی تک کرفیو نافذ ہے۔طلبہ کا احتجاج اس اُبلتے ہوئے لاوے کا ایک شعلہ ہے جو دس، بارہ برس سے اندر ہی اندر پک رہا تھا۔

حسینہ واجد کی حکومت کی بنیاد ہی ظلم اور آمرانہ ہتھکنڈوں پر رکھی گئی ہے۔ وہ گزشتہ پندرہ برس سے بنگلہ دیش کی وزیراعظم ہیں۔ وہ فوج اور اعلیٰ عدالتوں کی حمایت سے کسی دوسری سیاسی جماعت کو انتخابی اکھاڑے میں اترنے ہی نہیں دیتیں۔ 2008ء سے لے کر اب تک بنگلہ دیش میں تین انتخابات ہوئے ہیں۔ اب شیخ حسینہ واجد انتہائی غیر مقبول ہونے کے باوجود منیجڈ الیکشن کے ذریعے کامیابی اپنے نام لکھ لیتی ہیں۔عملاً ملک میں وَن پارٹی رول ہے۔

ہیومن رائٹس واچ جنوبی ایشیا کی ڈائریکٹر میناکشی گنگولی کی تازہ رپورٹ کے مطابق، گزشتہ تین بنگلہ دیشی انتخابات میں ایک مرتبہ بھی آزادانہ اور منصفانہ پولنگ نہیں ہوئی۔ ہیومن رائٹس کی ڈائریکٹر کی آبزرویشن کے مطابق بنگلہ دیش میں جمہوریت نہیں، آمریت ہے۔ بنگلہ دیش میں کرپشن اپنے عروج پر ہے۔ کرپشن میں حسینہ واجد بنفسِ نفیس اور اُن کی حکومت کے عوامی لیگی وزرا و زعما پوری طرح ملوث ہیں۔ یہاں پاکستان میں بھی ایک چپڑاسی کے بینک اکاؤنٹ کا بڑا چرچا ہوا تھا۔ 16 جولائی 2024ء کی ایک عالمی رپورٹ کے مطابق بنگلہ دیشی وزیراعظم کے ایک چپڑاسی کے اکاؤنٹ سے 400 کروڑ ٹکے نکلے ہیں۔

بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی (BNP) وہاں کی مرکزی اپوزیشن ہے۔ 2024ء کے الیکشن سے قبل بی این پی اور کالعدم جماعت اسلامی کے 20 ہزار کارکنوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ بی این پی نے 2014ء اور 2024ء کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا۔ گزشتہ پندرہ برس کے دوران 80 سے زائد افراد لاپتا ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر کا تعلق اپوزیشن پارٹیوں سے ہے۔

ڈھاکہ والوں نے پاکستان سے علیحدگی اور بنگلہ دیش کے قیام کا مطالبہ اس بنیاد پر کیا تھا کہ اُس وقت کی فوجی حکومت نے 1971ء کے انتخابات کے نتائج تسلیم کرنے اور ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے سے انکار کردیا تھا۔ اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ عوامی لیگ اپنی سیاسی و اخلاقی ساکھ قائم کرنے کے لیے بنگلہ دیش میں حقیقی جمہوری کلچر رائج کرتی اور قانون کی حکمرانی یقینی بناتی مگر حسینہ واجد اپنے غیر جمہوری اقتدار کیلئے ہر ہتھکنڈا استعمال کر رہی ہے۔

بنگلہ دیش کے اہلِ دانش کو اپنے ملک میں بھارت کی بڑھتی ہوئی مداخلت اور ہر شعبۂ زندگی میں اُس کی در پردہ موجودگی پر شدید تشویش ہے۔ بھارت کے زیر نگرانی چلنے والے نام نہاد انٹرنیشنل کرائمز ٹربیونل بنگلہ دیش اور پھر بنگلہ دیشی سپریم کورٹ نے 40 برس کے بعد اچانک ناکردہ جرائم کی پاداش میں یک طرفہ کارروائیاں کر کے معزز سیاسی و دینی رہنماؤں کو پھانسیاں دینا شروع کر دیں۔ 2013ء سے لے کر 2015ء تک جماعت اسلامی، اسلامی جمعیت طلبہ اور دیگر کئی دینی جماعتوں کے 1971ء کے زمانے کے نوجوانوں کو پیرانہ سالی میں پھانسی کی سزائیں سنائیں اور ان پر عملدرآمد بھی کرڈالا۔

بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں۔ جماعت کے رفاہی ادارے تباہ کر دیے گئے ہیں۔ بعض اداروں پر عوامی لیگیوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ بنگلہ دیش کی انہی بے وقار عدالتوں نے چودھری معین الدین کو اُن کی غیر موجودگی میں سزائے موت سنا دی تھی۔ زمانۂ طالب علمی میں چودھری صاحب جمعیت سے وابستہ تھے مگر 1970-71ء میں وہ ایک ممتاز صحافی کی حیثیت سے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ چودھری معین الدین 1973ء سے برطانیہ کے رہائشی اور 1984ء سے برطانوی شہری ہیں۔ بنگلہ دیشی حکومت نے 2019ء میں اُن کے ریڈ وارنٹ جاری کروا کے برطانوی حکومت سے اُن کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ برطانوی ہوم ڈپارٹمنٹ نے معین الدین چودھری کو اپنی رپورٹ میں ایک سزا یافتہ جنگی مجرم کے طور پر درج کر دیا۔ چودھری صاحب نے برطانوی سپریم کورٹ میں وہاں کے ہوم ڈپارٹمنٹ کے خلاف ہتکِ عزت کا دعویٰ دائر کر دیا کہ بغیر تحقیق انہیں نام نہاد بنگلہ دیشی عدالت کے فیصلے پر جنگی مجرم کیوں کہا گیا؟ چودھری معین الدین برطانیہ کے ممتاز کمیونٹی رہنما ہیں۔ وہ کئی رفاہی اداروں کے سربراہ اور فلاحی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ برطانوی سپریم کورٹ نے 20 جون 2023ء کے روز معین الدین چودھری کو بنگلہ دیشی عدالت کے الزامات سے مکمل طور پر بری کر دیا اور اپنے تفصیلی فیصلے میں بنگلہ دیش کی ''غلام عدالتوں'' کی حیثیت کو ساری دنیا میں بے نقاب کر دیا۔ اب یہ عدالتیں ساری دنیا میں بے وقعت ہوگئی ہیں۔
بنگلہ دیش کے حالیہ مظاہروں کے اسباب میں کوٹہ سسٹم، غیر جمہوری وَن پارٹی شو، لاقانونیت کی حکمرانی، بے پناہ کرپشن اور رشوت ستانی، مہنگائی، بیروزگاری اور فیئر اینڈ فری انتخابات کی عدم موجودگی شامل ہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۴۵)

تبصرۂ کتب حافظ محمد عمران طحاوی

کتاب نما

مبادیاتِ علوم وفنون: مرتب: مولانا ڈاکٹر حشمت علی صافی (پشاور)

ڈاکٹر حشمت علی صافی پشاور کی معروف علمی شخصیت ہیں۔ تعلیم و تعلم اوڑھنا بچھونا ہے۔ قلم میں روانی ہے۔ دین و دنیا کے علوم میں غوطہ زن رہتے ہیں۔ ذاتی اوصاف میں دینی وعصری میدانوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ، معاشرہ بیدار، رفاہی خدمت گزار، منتظم، ادارہ ساز، مصنف، رہنما اور ملک وملت کے خیر خواہ ہیں۔

علوم وفنون کے مبادیات پر ۱۵۷۴ صفحات اور چار جلدوں پر مشتمل اس کتاب مستطاب کا آغاز مبادیات علوم القرآن سے ہوتا ہے۔ اور پہلی جلد مبادیات علم تصوف پر مکمل ہوتی ہے۔ ۱۶ مبادیات علوم وفنون اس پہلی جلد میں ہیں جو نہایت علمی عرق ریزی کا نتیجہ ہیں۔ دوسری جلد مبادیات علم الصرف سے شروع ہوتی ہے اور اسلام کے سیاسی نظریات پر مکمل ہوتی ہے، کل ۲۲ مبادیات ہیں۔ تیسری جلد مبادیات علم الحروب سے شروع ہو کر مبادیات علم التعبیر پر مکمل ہوتی ہے، اس جلد میں بھی ۱۶ مبادیات ہیں۔ چوتھی اور آخری جلد مبادیات علم معاشیات سے شروع ہو کر مبادیات معلومات عامہ پر اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ اس چوتھی جلد میں ۱۶ مبادیات ہیں۔ یوں دیکھا جائے تو یہ چار جلدیں ۷۰ مبادیات علوم وفنون کا احاطہ کرتی ہیں۔ یہ تمام کام بڑا علمی کام ہے۔ کچھ پروف ریڈنگ اور کمپوزنگ کی اغلاط دیکھنے میں آئی ہیں تاہم مجموعی طور پر یہ ایک موسوعاتی علمی ذخیرہ ہے جس پر ڈاکٹر صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ یہ ہر لائبریری کی ضرورت ہے۔

یہ کتاب اگر چہ موجودہ صورت میں بھی مفید ہے لیکن اگر ہر مضمون کے مبادیات کے ذکر کے بعد اس موضوع پر اردو، عربی، انگریزی کی اہم اور معاصر کتابیات کا ذکر کر دیا جائے تو اس کی علمی حیثیت بہت بڑھ جائے گی۔ مرتب سے توقع ہے کہ اس کی طبع ثانی سے پہلے اگر وہ یہ کام کر گزریں اور مواد پر بھی نظر ثانی کر لیں تو تاریخ ان کا نام اور کام محفوظ رکھنے پر مجبور ہوگی۔ مطلوبہ کام انٹرنیٹ کی سہولت کی وجہ سے اب بہت مشکل بھی نہیں رہا۔

برائے رابطہ: العلم پبلیکیشنز، عبدالغنی پلازہ محلہ جنگی، قصہ خوانی پشاور شہر

فون نمبر: 0333-4532836 0345-0342478

تبصرۂ کتب حافظ محمد عمران طحاوی

کتاب نما

قلم کاشتہ: از ڈاکٹر انوار احمد بگوی

ڈاکٹر بگوی صاحب ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں مگر علمی مزاج رکھتے ہیں۔ میڈیکل سائنسز کے ساتھ ساتھ قرطاس وقلم سے گہرا شغف ہے۔ قلم کاشتہ ڈاکٹر صاحب کی بارہویں تصنیف ہے۔ 'قلم کاشتہ' نام بہت بھلا لگا جیسے کسی نے قلم لگائی ہوتا کہ قلم پھوٹے اور تناور درخت بن کر چھاؤں دے۔ اس کتاب کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلا حصہ ''احوال وطن'' ہے جس میں ڈاکٹر صاحب کے پاکستان اور اپنے آبائی شہر بھیرہ سے متعلق کچھ اہم مضامین ہیں۔

دوسرا حصہ آپ بیتی ہے جو خاص طور پر بھیرہ اور اس کی اہم شخصیات سے متعلق ہے۔

تیسرا حصہ تنقید و تنقیح ہے جس میں علمی وفکری تحریریں شامل ہیں۔

چوتھا حصہ تبصرہ وتذکرہ، پانچواں تاثرات، چھٹا اتحاد امت اور آدابِ اختلاف میں ملک کے نامور اساتذہ کے منتخب مضامین ہیں۔

خدمت وسعادت کے نام سے ساتواں عنوان 'خدمت میں سعادت ہے' سے جڑے تین اداروں کا ذکر سموئے ہوئے ہے۔

نقطۂ نظر میں ڈاکٹر صاحب کے بارے کچھ سپاس نامے ہیں جبکہ صحت اور انگریزی مراسلے کے عنوانات کے تحت علمی وفکری رہنمائی میسر آتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب ۳۰۲ صفحات پر مشتمل ہے، مجلد ہے، ٹائٹل دیدہ زیب ہے۔

قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ: قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل

یثرب کالونی بنک سٹاپ والٹن روڈ لاہور، 0300-0515101

innovations and, in the process, produced giants like Al-Biruni, Ibn alNafis, al-Khwarizmi etc. These giants tackled issues like radius of earth, circulation of blood in human body, algebra etc. But when the Madaris restricted themselves to "religious" education only then consequently their inquiries were also restricted to topics like "should you say ameen loudly or not during prayer", "should you recite Darood after prayer or not" etc etc. Since their inquiries were restricted to such topics they went into more and more hair splitting into these topics and hardened their positions on these issues. Furthermore, in order to keep their followers/doners base intact they transmitted these intellectual/ilmi topics into public domain. I am not saying that not studying Biology caused sectarianism, there are other factors also, like global political/military conflicts.

But on an intellectual level the self-imposed restriction of teaching religious subjects only has significantly contributed to the rise in sectarianism in our Madaris. It is high time that the administrators of these Madaris think about it seriously and take remedial steps. It is their religious obligation to strengthen the ummah instead of leading it into a sectarian wasteland. I have been teaching at university level for quarter of a century and based upon that experience I don't think that our universities can produce true leadership for ummah. Why you may ask, because like most of the universities in the world our universities are basically factories that mass produce technologically literate slaves for the global capitalist system. They don't have the desire or the freedom to take a revolutionary step. But the administrators of our Madaris have the freedom to do what they want to, it is the question of their desire.

and as such did not have financial worries. Unfortunately, when Muslims lost political and military control the Madaris lost the protective umbrella and were left to fend for themselves. When the British took power from Muslims in India we can clearly see their objectives in the famous quote of Macaulay on Education: “We must at present do our best to form a class who may be interpreters between us and the millions whom we govern; a class of persons, Indian in blood and colour, but English in taste, in opinions, in morals, and in intellect.” It is in this background that the ulema of the time decided that they cannot confront the full might of the British empire. They don’t have the means to teach all the different subjects that they used to teach. Furthermore, as suggested by Macaulay, the British had established their own education system which produced people that they needed to run their government. As a result the ulema of that time limited themselves to the teaching of purely “*deeni uloom*” (religious subjects). This is most clearly visible in the curriculum of Darul Uloom Deoband (founded on May 30, 1866). Even though an attempt was made later on to rectify the situation, it did not succeed.

This situation persisted even after we got independence from British. It is true that more than 50% Madaris in Pakistan are intellectual children of Darul Uloom Deoband but this situation is not restricted to Deobandi Madaris only, it is prevalent in all others also. By now you might be wondering as to what all of this has to do with the title of the essay, well it does.

You see when these Madaris were teaching all subjects their teachers were not restricted to “religious” topics. They studied and produced scientific knowledge and technological

Prof. Nadeem Ghafoor Ch.

Science and Sectarianism

Sectarianism is a big issue in Pakistan, and I don't want to go into its negative ramifications, we are all aware of it. I, along with few other people, started a yearlong software development course for Ulema (graduates of our seminaries) in 2017. Details of this course are available at www.isdp.info During these years I became acquainted with hundreds of Ulema from all over Pakistan belonging to different sects and Madaris (seminaries). The program requires a certain level of English and Math. My initial presumption was that since these ulema deal with complex calculations involving laws of inheritance they will have the required Math skills necessary for our program. But I was disappointed to find out that a good portion of them could not calculate the average of the two numbers.

This situation was very perplexing for me, especially when I look at Ulema of past like Al-Biruni, Ibn al-Nafis, al-Khwarizmi, just to name a few. I discussed this with many knowledgeable people over the years. During these discussions it became clear to me that the Madaris of the past where people like Al-Biruni, Ibn al-Nafis and alKhwarizmi studied did not just teach Quran and Hadith but also taught what we now call science and technology. For them there was no differentiation between what we call worldly knowledge and religious knowledge. For them the differentiation was *ilm-nafay* and everything else (which we can call *ilm-ghair nafay*).

These Madaris were funded by Muslim rulers of the time